زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ماہنامہ اشراق

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

جولائی 2025ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہنامہ

اشراق

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

جلد ۳ شمارہ ۷ جولائی ۲۰۲۵ء محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

معاون مدیر: شاہد محمود

مجلس تحریر:

ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر محمد عامر گزدر

ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

فہرست

شذرات

تاریخ کے ملبے پر کھڑی امت — محمد حسن الیاس — 3

زینتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم — سید منظور الحسن — 7

قرآنیات

البیان: آل عمران 3: 1-17 (1) — جاوید احمد غامدی — 15

معارف نبوی

احادیث — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — 19

مقامات

اصول و مبادی — جاوید احمد غامدی — 21

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

اسرا و معراج: تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی (1)	سید منظور الحسن	24

آثارِ صحابہ

صحابہ سے متعلق ائمۂ اہل بیت کے آثار (10)	ڈاکٹر عمار خان ناصر	26

نقطۂ نظر

حضرت انس سے مروی ایک حدیث کی توجیہ	علامہ شبیر احمد ازہر / ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی	35
علاماتِ قیامت اور تاریخی واقعات: بائیبل اور قرآن کی روشنی میں (3)	محمد سعد سلیم	43

اصلاح و دعوت

دورِ زوال کا ایک ہلاکت خیز ظاہرہ	محمد ذکوان ندوی	54

مکالمات

مطالعۂ سنن ابن ماجہ (6)	ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن	60

سیر و سوانح

حیاتِ امین (23)	نعیم احمد بلوچ	72

ادبیات

دل ہے، مگر کسی سے عداوت نہیں رہی	جاوید احمد غامدی	85

حالات و وقائع

خبر نامہ "المورد امریکہ"	شاہد محمود	87

محمد حسن الیاس

تاریخ کے ملبے پر کھڑی امت

(گم شدہ عظمت، خاموش حال، تاریک مستقبل)

تباہی کی راکھ سے اٹھنے والی دنیا نے دوسری عالمی جنگ کے بعد جو پُر امن، خواب ناک اور نئی تہذیبی اقدار پر مبنی عالمی عرف تراشا تھا، انسانوں کے اس رومانوی عقد کا ہنی مون اب اختتام کو پہنچ رہا ہے۔

یہ وہ بندھن تھا جس کی ابتدا محبت، انصاف اور باہمی احترام کے وعدوں سے ہوئی تھی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ طاقت کی جبلت، مفاد کی حرص اور غلبے کی پیاس نے اس کے چہرے سے وہ تمام نقاب نوچ دیے جو اسے انسانی عظمت کا خواب اور تہذیبی ارتقا کا استعارہ بناتے تھے۔

اقوامِ متحدہ کے منشور، انسانی حقوق کے اعلانات، عالمی عدالتوں کے قیام، قانون کی حکمرانی کے دعوے اور قومی خود مختاری کے نعروں نے ایک ایسے عالمی توازن کا تصور پیش کیا جس میں طاقت کی جگہ اصول، مفاد کی جگہ آدرش اور تسلط کی جگہ انصاف حکمرانی کرے گا۔ ایسا محسوس ہوا کہ شاید تاریخ ایک نئے تہذیبی احساس کی طرف رجوع کر رہی ہے۔

وقت نے اس دل فریب سراب کی حقیقت بے نقاب کر دی۔ جو کچھ اصول، انصاف اور عالمی

ضمیر کے نام پر تعمیر کیا گیا تھا، وہ آخر کار محض ایک مہلتِ فریب ثابت ہوا۔

تہذیبی خود فریبی کا وہ جمالیاتی نقاب طاقت کی جبلت، مفاد کی وحشت اور غلبے کی ازلی پیاس کے سامنے زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ.

دنیا اپنی اصل کی طرف لوٹنے لگی ہے اور انسانیت ایک بار پھر اس مقام پر آن کھڑی ہوئی جہاں طاقت ہی اب معیارِ حق ہے۔

ایسے میں امتِ مسلمہ کی حالت اور بھی عبرت ناک ہے۔ یہ وہی امت تھی جو فکری انحطاط، تہذیبی شکست اور استعماری غلامی کی پاتال میں جا گری تھی؛ وہ امت جس کے ہزار سالہ اقتدار کا سورج غروب ہو چکا تھا۔ صفوی ہوں، مغل یا عثمانی! تینوں عظیم سلطنتیں تاریخ کے افق سے رخصت ہو چکی تھیں اور ان کی عظمت کی لاش پر کھڑا ہونے والا نیا عالمی تمدن امت کو ایک شکست خوردہ تماشائی کے درجے سے آگے بڑھنے نہ دے۔

اسی تاریخی راکھ، اسی تہذیبی مایوسی اور شکست کی انھی گہرائیوں میں، خدا نے محض اپنے اذن سے مسلمانوں کو ایک نئی مہلت عطا کی۔ خود فاتحین باہم بر سرِ پیکار ہو گئے اور ہم جو نہ کسی بیدار فکر کے وارث تھے، نہ کسی منظم قافلے کے مسافر، ایک کے بعد ایک خطے میں نیم خود مختاری کو حاصل کرنے لگے، یہاں تک کہ تدریجاً ریاستی وجود کی شکل میں امت کو عالمی منظر نامے پر ایک نئی سیاسی موجودگی عطا ہو گئی۔

وطن، وسائل، آبادی، ثقافت اور ایمان جیسی معنوی قوت کے ساتھ، ستاون جغرافیائی اکائیاں امت کے ہاتھ آئیں۔ یہ کسی تدبر یا سیاسی بصیرت کا حاصل نہ تھا، بلکہ ایک معجزاتی تنبیہ تھی؛ ایک الٰہی اشارہ اور نصرت کے قانون پر مشتمل ایک نیا عہد نامہ۔ پھر سن لیں، یہ عطا نہ کسی فکری و عملی یک سوئی کی علامت تھی، نہ کسی اندرونی بیداری کا عکس، بلکہ محض ایک خدائی مہلت تھی، جو شکست کی راکھ سے ایک نئی چنگاری اٹھانے کا امکان بن سکتی تھی!

لیکن ہر مہلت، اگر بصیرت سے محروم ہاتھوں میں آجائے تو وہ نعمت کے بجائے ایک آزمایش اور ایک عبرت بن جاتی ہے۔ یہی ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ ہم نے اس نعمت غیر مترقبہ کو نہ شکر کے ساتھ اپنایا، نہ قناعت کے ساتھ سنبھالا اور نہ حکمت کے ساتھ برتا۔

یوں داخلی محاذ پر ہم فکری یکجہتی کے بجاے فرقہ دارانہ کشاکش میں مبتلا ہوئے اور خارجی سطح پر غیر حقیقی تصادم کا راستہ چنا۔

اشتغالِ بالا دنیٰ کی اس مہم میں پیش قدمی کا شرف مذہبی قیادت کو حاصل رہا؛ وہ قیادت جو فکری احیا کے بجاے جزوی معرکوں اور ماضی پرستی میں الجھی رہی۔ وہ قیادت جسے اندھیروں میں چراغ جلانے تھے، اس عنایتِ خسروانہ کو تدریجی حکمت کے دروازے پر دستک کے طور پر لینے کے بجاے عظمتِ رفتہ کی بازیافت کے خوابوں میں گم ہو گئی۔ گویا صدیوں پر محیط زوال یکایک پلٹ جائے گا، اور عالمی غلبہ، محض جوشیلے خطبوں، احتجاجی نعروں اور جذباتی دہائیوں سے واپس آ جائے گا۔ یاللعجب۔

ایسی قیادت کے زیرِ اثر ہم نہ اپنے فکری زوال کی تہوں کو پار کرنے کا آغاز کر سکے، نہ روحِ عصر کی گونج سن سکے، اور نہ ہی اس علم و حکمت سے جڑ سکے جو اقوام کو ماضی کے خوابوں سے نکال کر حال کے حقائق سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

اسی قیادت نے نیم خود مختاری کو اگلے مرحلے کی بنیاد بنانے کے بجاے اسے ناانصافی تصور کرتے ہوئے یوں دھتکارا، جیسے کوئی یتیم، جسے وقت نے شفقت، آغوش اور تحفظ عطا کر دیا ہو، محض ایک کھلونے کے ٹوٹنے پر پوری عطا کو ٹھکرا دینے پر آمادہ ہو جائے۔

ہمیں جو سیاسی آزادی عطا ہوئی تھی، وہ اگرچہ مکمل نہ تھی، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اس عالمی شکست کے بعد ملی تھی، جہاں ہماری آنکھوں نے ماضی میں اپنی ماؤں کو اغیار کی لونڈیاں بنتے دیکھا تھا۔ ایسے پس منظر میں یہ آزادی، چاہے جتنی بھی محدود ہو، ایک تدریجی سفر کی ابتدائی سیڑھی ضرور تھی، ایک ایسا مرحلہ، جس سے آگے بڑھ کر ہم اپنی خود مختاری کو حقیقت میں ڈھال سکتے تھے۔

مگر ہم نے اس عطا کو صرف اس لیے رد کر دیا کہ وہ ہمارے خوابوں کے عین مطابق نہ تھی۔ ہم نے اسے "نامکمل" کہہ کر ٹھکرا دیا، جیسے کوئی پیاسا، آدھا جام پیش کیے جانے پر، پورا پانی زمین پر انڈیل دے۔

اس ردِ عمل نے صرف ایک موقع کو ضائع نہیں کیا، بلکہ ہمیں خود فریبی کے اُس راستے پر ڈال دیا جہاں ہم نے حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجاے دوسروں پر الزام دھرنے کو شعار بنا لیا۔

طاقت کی کشمکش میں ہم نہ زادِ راہ لے کر اترے، نہ عقل و حکمت کا ساز و سامان۔ اور جب شکست نے ہماری خامی کو بے نقاب کیا تو ہم نے اسے دانائی کا غلاف پہنا کر، اپنی ہی کم زوری کو استقامت کا نام دے دیا۔ یہ تضادِ فکر ہر سطح پر نمایاں ہونے لگا۔

ہم نے حق تو مانگا، مگر صبر، فہم اور تدبر جیسے وہ لوازم جو اس کی راہ کے ناگزیر سنگِ میل تھے، انھیں اختیار کرنے سے گریز کیا۔ شہادت کو تو ہم نے ایمانی زیور کی طرح سینے سے لگائے رکھا، مگر زندگی کی پیچیدہ راہوں میں تعمیر اور تدریجی پیش قدمی کو ہمیشہ شکست کی نظر سے دیکھا۔ ہم نے نعرے ضرور سیکھے، مگر ان نعروں کی پشت پر کوئی حکمتِ عملی نہ تراشی۔ ہم نے احتجاج کو تو گلے لگایا، مگر خود احتسابی کو ایسا زہر سمجھا جس سے سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہم بار بار جذبات کے شعلے تو بھڑکاتے رہے، مگر ان شعلوں سے چراغ بنانے کا حوصلہ کبھی پیدا نہ کر سکے۔

اور جب کسی نے اس فکری روش سے ہٹ کر تعمیر و تجدید کی بات کی تو اسے مغرب کا آلۂ کار اور ملت کا غدار گردانا۔

مذہبی قیادت کے تحت شکست کا یہ سفر جاری ہے۔

فلسطین، لبنان، شام، یمن، اور اب ایران — ہر جگہ وہی دعوائے مزاحمت، وہی بے بصیرتی اور وہی نتیجہ: داخلی تباہی، خارجی تنہائی، اور ایک بار پھر وہی سناٹا جو ہر نعرے کو نگل جاتا ہے۔

گویا ہر شکست کے بعد ہم صرف ملبہ سمیٹنے کے لیے زندہ رہ گئے ہیں، اور ہر امید محض ایک نوحے میں دفن ہو جاتی ہے۔ ان تمام بربادیوں کے بعد، مذہبی قیادت پچھلی ہزیمت کا روگ اٹھائے اگلے محاذ پر روانہ ہو جاتی ہے؛ دائرے کے اس سفر میں جذبات سے تباہی، تباہی سے جذبات اور ہر نئی ہزیمت کو عزیمت کا استعارہ بنانا تاکہ اگلی بربادی کے لیے جذبہ سلامت رہے۔

شکست ہماری تقدیر نہیں، مگر اسے فتح سمجھنے کا فریب ہی ہماری سب سے بڑی شکست ہے!

سید منظور الحسن

زینتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم

زینت عربی زبان کا معروف لفظ ہے۔ ’زانہ‘ اور ’زینہ‘ کے معنی کسی چیز کے حسن کو ظاہر کرنے، اُسے سجانے سنوارنے اور خوش نما صورت میں پیش کرنے کے ہیں۔ استاذِ گرامی نے اِس کے معنی کی وضاحت میں لکھا ہے:

> ”زینت کا لفظ عربی زبان میں اُن چیزوں کے لیے آتا ہے، جن سے انسان اپنی حس جمالیات کی تسکین کے لیے کسی چیز کو سجاتا بناتا ہے۔ چنانچہ لباس، زیورات وغیرہ بدن کی زینت ہیں؛ پردے، صوفے، قالین، غالیچے، تماثیل، تصویریں اور دوسرا فرنیچر گھروں کی زینت ہے؛ باغات، عمارتیں اور اِس نوعیت کی دوسری چیزیں شہروں کی زینت ہیں؛ غنا اور موسیقی آواز کی زینت ہے؛ شاعری کلام کی زینت ہے۔“(البیان 2/ 148)

سورۂ اعراف (7) کی آیت 32 میں یہ لفظ اپنے اِسی عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ.	”اِن سے پوچھو، (اے پیغمبر)، اللہ کی اُس زینت کو کس نے حرام کر دیا، جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی تھی اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے ممنوع ٹھیرایا ہے؟“

اِس آیت کی تفہیم کے لیے ضروری نکات درجِ ذیل ہیں:

زینت کی اللہ سے نسبت

آیت میں 'زِيْنَةَ اللّٰهِ' (اللہ کی زینت) کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی اللہ نے زینت کو اپنی نسبت سے بیان کیا ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ کسی چیز کا دل کش ہونا، بہترین ساخت پر ظاہر ہونا اور اپنے وصف کی خوبی اور کمال کا مظہر ہونا اللہ کی قدرت اور مشیت پر منحصر ہے۔ انسانوں کے اندر اِس جمال و کمال کا شعور بھی پروردگار ہی کی عطا ہے۔ چنانچہ زینتوں کی مختلف پہلووں سے اُس ذاتِ پاک سے نسبت کا تقاضا ہے کہ اُنھیں اللہ کی نعمت کے طور پر قبول کرنا چاہیے، باعثِ عزت و افتخار سمجھنا چاہیے اور اُن سے فیض یاب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

دنیا میں زینتوں کا معاملہ

فرمایا ہے کہ 'هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا' (وہ دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں)۔ یعنی اللہ نے دنیا میں یہ زینتیں اصلاً اپنے مومن بندوں کے لیے پیدا کی ہیں۔ اِس ارشاد سے دو باتیں سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ اہلِ ایمان کو اِن کی تمنا کرنی چاہیے اور اِن کے حصول کے لیے تمام جائز طریقے اختیار کرنے چاہییں۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ اہل ایمان کے لیے پیدا کی گئی ہیں، اِس لیے اِن میں دین و ایمان کے خلاف کسی چیز کی موجودگی کا کوئی تصور نہیں رکھنا چاہیے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> ”... اللہ نے تو دنیا کی ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں بندوں ہی کے لیے پیدا کی ہیں، اِس لیے اللہ کا منشا تو بہر حال یہ نہیں ہو سکتا کہ اِنھیں بندوں کے لیے حرام کر دے۔ اب اگر کوئی مذہب یا کوئی نظامِ اخلاق و معاشرت ایسا ہے، جو اِنھیں حرام، یا قابلِ نفرت، یا ارتقاے روحانی میں سدِّ راہ قرار دیتا ہے تو اُس کا یہ فعل خود ہی اِس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ بھی اُن حجتوں میں سے ایک اہم حجت ہے، جو قرآن نے مذاہبِ باطلہ کے رد میں پیش کی ہیں، اور اِس کو سمجھ لینا قرآن کے طرزِ استدلال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔“
>
> (تفہیم القرآن 2/ 23)

آخرت میں زینتوں کا معاملہ

مزید فرمایا ہے: ’خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ‘(اور قیامت کے دن تو اہل ایمان کے لیے خاص ہوں گی)۔ یعنی زینت کی یہ چیزیں آخرت میں صرف اہل ایمان کے لیے مختص ہوں گی۔ پوری بات کا مطلب یہ ہے کہ مختلف نعمتوں کی صورت میں زینت کی چیزیں اصلاً اہل ایمان کا حق ہیں۔ دنیا کی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ نے اِن میں منکرین کو بھی شریک کر دیا ہے، مگر یومِ آخرت کے بعد یہ پوری طرح مومنوں کے لیے خاص ہو جائیں گی۔ استاذِ گرامی نے اِس کی تفسیر میں لکھا ہے:

> ”... اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا نہ ایمان کے منافی ہے، نہ دین داری کے، نہ تقویٰ کے۔ اللہ نے تو یہ چیزیں پیدا ہی اہل ایمان کے لیے کی ہیں، لہٰذا اصلاً اُنھی کا حق ہیں۔ اُس کے منکروں کو تو یہ اُن کے طفیل اور اُس مہلت کی وجہ سے ملتی ہیں، جو دنیا کی آزمایش کے لیے اُنھیں دی گئی ہے۔ چنانچہ آخرت میں یہ تمام تر اہل ایمان کے لیے خاص ہوں گی، منکروں کے لیے اِن میں کوئی حصہ نہیں ہو گا، وہ ہمیشہ کے لیے اِن سے محروم کر دیے جائیں گے۔ قرآن کا یہ اعلان، اگر غور کیجیے تو ایک حیرت انگیز اعلان ہے۔ عام مذہبی تصورات اور صوفیانہ مذاہب کی تعلیمات کے برخلاف قرآن دینی زندگی کا ایک بالکل ہی دوسرا تصور پیش کرتا ہے۔ تقرب الٰہی اور وصول الی اللہ کے لیے دنیا کی زینتوں سے دستِ برداری کی تلقین کے بجائے وہ ایمان والوں کو ترغیب دیتا ہے کہ اسراف و تبذیر سے بچ کر اور حدود الٰہی کے اندر رہ کر زینت کی سب چیزیں وہ بغیر کسی تردد کے استعمال کریں اور خدا کی اِن نعمتوں پر اُس کا شکر بجالائیں۔“
>
> (البیان 2/ 148-149)

جنت سراپا زینت

’خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ‘(اور قیامت کے دن تو اہل ایمان کے لیے خاص ہوں گی) کے اِس بیان اور قرآنِ مجید کے دیگر مقامات سے واضح ہے کہ جنت سراپا زینت ہو گی۔ اُس میں دنیا والی نعمتیں اپنی اعلیٰ ترین صورت میں ہوں گی۔ یعنی اُس میں ریشم و اطلس کے پہناووں، سونے کے کنگنوں، موتیوں کے ہاروں کی صورت میں بدن کی زینتیں ہوں گی؛ محلات و باغات کی صورت میں رہن سہن کی زینتیں ہوں گی؛ پاکیزہ شراب و شباب کی صورت میں تفریح طبع کی زینتیں ہوں گی۔

استاذِ گرامی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جس طرح جنت کی تصویر کشی کی ہے، اُس سے جنت کا ایک عظیم الشان زینت کدہ ہونا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اِس فانی دنیا میں بھی انسان اِس (جنت) کی نعمتوں کو کسی حد تک تصور میں لا سکے، قرآن نے اِس کے لیے بادشاہی کے اسباب ولوازم مستعار لیے ہیں۔ چنانچہ ہرے بھرے باغوں، بہتی نہروں، سرسبز وشاداب چمن زاروں، اونچے محلوں، زر وجواہر کے برتنوں، زریں کمر غلاموں، سونے کے تختوں، اطلس وکمخواب کے لباسوں، بلوریں پیالوں، عیش وطرب کی مجلسوں اور مہ جبیں کنواریوں کا ذکر اِسی مقصد سے کیا گیا ہے:

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا، حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا، وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا، وَّكَاْسًا دِهَاقًا، لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا، جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا.(النبا 78: 31-36)

”خدا سے ڈرنے والوں کے لیے البتہ، اُس دن بڑی فیروز مندی ہے۔ (رہنے کے لیے) باغ اور (کھانے کے لیے) انگور اور (دل بہلانے کے لیے) اٹھتی جوانیوں والی ہم سنیں اور (اُن کی صحبت میں پینے کے لیے) چھلکتے جام۔ وہاں وہ کوئی بے ہودہ بات اور کوئی بہتان نہ سنیں گے۔ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے بدلہ ہو گا، اُس کی عنایت بالکل اُن کے عمل کے حساب سے۔“

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا، وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا، مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ، لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا، وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا، وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ

”سو اللہ نے اُنھیں اُس دن کی مصیبت سے بچا لیا اور اُنھیں تازگی اور سرور سے لا ملایا اور اُن کے صبر کے بدلے میں اُنھیں (رہنے کے لیے) باغ اور (پہننے کے لیے) ریشمی پوشاک عطا فرمائی۔ وہ اُس میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے

مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاْ، قَوَارِيْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا، وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلاً، عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلاً، وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ، اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا، وَاِذَا رَاَيْتَ، ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا، عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا، اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا.

(الدہر 76: 11-22)

ہوں گے۔ نہ اُس میں دھوپ کی حدت دیکھیں گے، نہ سرما کی شدت۔ اُس کے درختوں کے سایے اُن پر جھکے ہوئے اور اُن کے خوشے بالکل اُن کی دسترس میں ہوں گے۔ اُن کے سامنے چاندی کے برتن، (اُن کے کھانے کے لیے) اور شیشے کے پیالے (اُن کے پینے کے لیے)، گردش میں ہوں گے — شیشے بھی چاندی کے، جنھیں اُن کے خدام نے (ہر خدمت کے لیے) نہایت موزوں اندازوں کے ساتھ سجا دیا ہے۔ اور (یہی نہیں)، اُنھیں وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں آب زنجبیل کی ملونی ہو گی۔ یہ بھی جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ اُن کی خدمت میں وہ لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، دوڑتے پھرتے ہوں گے۔ تم اُن کو دیکھو گے تو یہی خیال کرو گے کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں اور دیکھو گے تو جہاں دیکھو گے، وہاں بڑی نعمت اور بڑی بادشاہی دیکھو

گے۔ اِس حال میں کہ اُن کی اوپر
کی پوشاک ہی سبز سندس اور
استبرق کے کپڑے ہیں۔ اُن کو
چاندی کے کنگن پہنا دیے گئے
ہیں اور اُن کے پروردگار نے
اُنھیں خود (اپنے حضور میں)
شراب طہور پلائی ہے۔ یقیناً
تمھارے لیے یہ تمھارے عمل کا
صلہ ہے اور (تمھیں مبارک کہ)
تمھاری سعی مشکور ہوئی۔"

اِسی طرح فرمایا ہے کہ جنت کے لوگ جو چاہیں گے، ملے گا؛ جو مانگیں گے، پائیں گے۔[1] اُن کے سینے حسد اور کینے اور بغض سے پاک کر دیے جائیں گے۔ وہ بھائیوں کی طرح تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔[2] نہ وہاں سے نکالے جائیں گے، نہ کبھی اکتا کر نکلنا چاہیں گے اور نہ کسی آزار میں مبتلا ہوں گے۔[3] اُس کی نعمتیں ہر دفعہ نئے حسن، نئی لذت اور نئے ذائقے کے ساتھ سامنے آئیں گی۔ ایک ہی پھل جب بار بار کھانے کے لیے دیا جائے گا تو ہر مرتبہ لذت، حسن اور ذائقے کی ایک نئی دنیا اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔[4] ہر طرف پاکیزگی، ہر طرف نزاہت۔[5] نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا، نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔[6] پھر سب سے بڑھ کر خدا کی رضوان اور اُس کے جواب میں اُس کے بندوں کی طرف سے حمد و ثنا کے زمزمے اور تسبیح و تہلیل کا سرود سرمدی جس

---

[1] ۔ حٰم السجدہ 41:31۔ الزخرف 43:71۔ ق 50:35۔

[2] ۔ الاعراف 7:43۔ الحجر 15:47۔

[3] ۔ الحجر 15:48۔ الکہف 18:108۔ فاطر 35:34-35۔

[4] ۔ البقرہ 2:25۔

[5] ۔ الواقعہ 56:25۔

[6] ۔ البقرہ 2:62، 112، 262، 274، 277۔

سے جنت کی فضائیں شب و روز معمور رہیں گی۔[7]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت کی ہے کہ جنت میں رہنے والے کھائیں گے اور پئیں گے، لیکن نہ تھوکیں گے، نہ بول و براز کی ضرورت محسوس کریں گے، نہ ناک سے رطوبت نکلے گی، نہ بلغم اور کھنکھار جیسی چیزیں ہوں گی۔ وہاں کے پسینے سے مشک کی خوشبو آئے گی۔ وہ ایسی نعمتوں میں رہیں گے کہ کبھی کوئی تکلیف نہ دیکھیں گے۔ نہ اُن کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے، نہ جوانی زائل ہو گی۔ اُس میں منادی پکارے گا کہ یہاں وہ صحت ہے، جس کے ساتھ بیماری نہیں؛ وہ زندگی ہے، جس کے ساتھ موت نہیں؛ وہ جوانی ہے، جس کے ساتھ بڑھاپا نہیں۔ لوگوں کے چہرے اُس میں چاند تاروں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔"[8] (میزان 198-200)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دین رہبانیت اور ترکِ دنیا کی ترغیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ہرگز مطالبہ نہیں ہے کہ لوگ ٹاٹ اور صوف پہنیں، بوریے کو بستر بنائیں، گدڑی کو اوڑھیں، بَن باسی لے کر جھونپڑیوں میں زندگی گزاریں اور نعمتوں سے منہ موڑ کر جوگ سادھ لیں۔ وہ انواع و اقسام کی نعمتیں پیدا کرتا ہے، اُنھیں طرح طرح سے مزین کرتا ہے اور اپنے بندوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اُنھیں برتیں، اُن کی فیض رسانی سے مستفید ہوں اور اُن کی تزئین و آرایش سے نشاط حاصل کریں۔ اُس کی جنت بھی انعام و اکرام اور حسن و جمال کا عشرت کدہ ہے، جو اُس نے اپنے پاکیزہ بندوں کے لیے تخلیق کی ہے۔ اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو اُس کی نعمتوں سے بے نیازی صریح بداخلاقی ہے اور اِسے اُس سے منسوب کرنا بدترین جرم ہے۔ اُس منعم حقیقی سے بھلا یہ بات کیسے منسوب کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی تخلیق کردہ زینتوں کو اپنے بندوں پر حرام ٹھیرا دے گا! استاذِ گرامی لکھتے ہیں:

"... دین کی صوفیانہ تعبیر اور صوفیانہ مذاہب تو (زینت کی) اِن سب چیزوں کو مایا کا جال سمجھتے اور بالعموم حرام یا مکروہ یا قابل ترک اور ارتقاے روحانی میں سدراہ قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کا نقطۂ نظر یہ نہیں ہے۔ اُس نے اِس آیت میں نہایت سخت تنبیہ اور تہدید کے انداز میں پوچھا

---

[7]۔ التوبہ 9:72۔ یونس 10:10۔ مریم 19:62۔ الحج 22:24۔ الزمر 39:73۔

[8]۔ بخاری، رقم 3327۔ مسلم، رقم 7149، 7156، 7157۔

ہے کہ کون ہے، جو رزق کے طیبات اور زینت کی اُن چیزوں کو حرام قرار دینے کی جسارت کرتا ہے، جو خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں؟ یہ آخری الفاظ بطورِ دلیل ہیں کہ خدا کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا۔ اُس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں تو اِسی لیے پیدا کی ہیں کہ حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر اُس کے بندے اِنھیں استعمال کریں۔ اِن کا وجود ہی اِس بات کی شہادت ہے کہ اِن کے استعمال پر کوئی ناروا پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔“(البیان 2/ 148)

قرآنیات

روشنی کی جستجو ہوتی ہے جب ظلمات میں
دیکھ لیتے ہیں کلام اللہ کے آیات میں

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(1)

الٓمّٓ ﴿1﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿2﴾ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿3﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿4﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی
الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿5﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ ﴿6﴾

یہ سورۂ ’الم‘ ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، زندہ اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ (لوگوں کو امتحان میں ڈال کر وہ اُن کی ہدایت سے بے پروا نہیں ہو سکتا تھا، لہٰذا) اُس نے یہ کتاب تم پر قول فیصل کے ساتھ اتاری ہے، اُن پیشین گوئیوں کی تصدیق میں جو اِس سے پہلے موجود ہیں، اور تورات و انجیل کو بھی۔ اِس سے پہلے اُسی نے لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اتارا تھا، اور اب یہ فرقان بھی اُسی نے اتارا ہے۔ (یہ اللہ کی آیتیں ہیں، اور) جو لوگ (جانتے بوجھتے) اللہ کی

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ
تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٩﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ
النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ
اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ
فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَ اللّٰهُ
يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿١٣﴾

آیتوں کے منکر ہوں، اُن کے لیے بڑا سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست ہے، وہ (اِس طرح کے لوگوں سے) انتقام لینے والا ہے۔ اِس لیے کہ اللہ سے نہ زمین میں کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، نہ آسمان میں۔ وہی تو ہے جو ماؤں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں، جس طرح چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ 1-6

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری ہے جس میں آیتیں محکم بھی ہیں جو اِس کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور (اِن کے علاوہ) کچھ دوسری متشابہات بھی ہیں۔ سو جن کے دل پھرے ہوئے ہیں، وہ اِس میں سے ہمیشہ متشابہات کے درپے ہوتے ہیں، اِس لیے کہ فتنہ پیدا کریں اور اِس لیے کہ اُن کی حقیقت معلوم کریں، دراں حالیکہ اُن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اِس کے برخلاف جنھیں اِس علم میں رسوخ ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اِنھیں مانتے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اِس طرح کی چیزوں کو وہی سمجھتے ہیں جنھیں اللہ نے عقل عطا فرمائی ہے۔ (وہ کہتے ہیں): پروردگار، تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اِس کے بعد اب تو ہمارے دل نہ پھیر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ لاریب، تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔ پروردگار، تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ایسے دن کی پیشی کے لیے جمع کر کے رہے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ
الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ
الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ
الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔7–9

اِس کتاب کے منکروں کو، (جن پر حجت پوری ہو گئی)، اللہ کے حضور میں اُن کا مال کچھ کام دے گا اور نہ اُن کی اولاد، اور یہی ہیں جو دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اِن کا معاملہ بھی وہی ہے جو فرعونیوں اور اُن سے پہلے کے لوگوں کا تھا۔ اُنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں اُنھیں پکڑ لیا اور حق یہ ہے کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔10–11

اِن منکروں سے کہہ دو کہ عنقریب تم بھی (اِسی طرح) مغلوب ہو جاؤ گے اور (اِس کے بعد) دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور (تمھیں اگر ہماری اِس بات میں کوئی تردد ہے تو) جن دو گروہوں میں مڈ بھیڑ ہوئی، اُن کی سر گذشت میں تمھارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔ ایک ماننے والوں کا گروہ جو اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا نہ ماننے والوں کا جو شیطان کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ وہ (بدر کے میدان میں) ماننے والوں کو کھلم کھلا اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جس کی چاہتا ہے (اِسی طرح) اپنی تائید سے مدد فرماتا ہے۔ اِس میں اُن کے لیے یقیناً بڑی بصیرت ہے جو آنکھوں والے ہوں۔12–13

اُن لوگوں کے لیے (جو اِس بصیرت سے محروم ہیں) دنیا کے مرغوبات—عورتوں بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، نشان زدہ گھوڑوں، چوپایوں اور کھیتی کی محبت بہت لبھانے کی چیز بنا دی گئی ہے۔ یہ سب دنیا کی زندگی کا سروسامان ہے اور اچھا ٹھکانا تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اِن سے کہیے کہ میں تمھیں بتاؤں کہ اِن چیزوں سے بہتر کیا ہے؟ اللہ سے ڈر کر رہنے والوں کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی ہے، اور اللہ اپنے اِن بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

یہ جو دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگار، ہم ایمان لے آئے ہیں، سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ یہ صبر کرنے والے، سچے، فرماں بردار، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کی گھڑیوں میں اٹھ کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنے والے۔ 14-17

[باقی]

معارفِ نبوی

اے کہ ترے وجود سے راہِ حیات کا سراغ
اِس شبِ تار میں نہیں تیرے سوا کوئی چراغ

ترجمہ و تحقیق: جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس

— 1 —

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ یہ اِس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اِس بات کی شہادت دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پھر جب یہ کرلیں تو اِن کی جانیں اور اِن کے مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے، الاّ یہ کہ اُن سے متعلق کسی حق کے تحت یہ لوگ اِس حفاظت سے محروم کر دیے جائیں۔ رہا اِن کا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے۔ (بخاری، رقم 24)

— 2 —

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور آپ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین بنائے گئے اور عربوں میں سے جنھوں نے انکار کرنا تھا، اُنھوں نے انکار کر دیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر سے کہا: آپ اِن لوگوں سے کس طرح لڑیں گے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر چکے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں، پھر جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا، اُس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے محفوظ کر لی، الاّ یہ کہ اُن سے متعلق

کوئی حق اُس پر قائم ہو جائے، اور اُس کا حساب اللہ کے ذمے ہے؟ سیدنا ابو بکر نے یہ سنا تو فرمایا: خدا کی قسم، میں اُن لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، اِس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم، جانور کو باندھنے کی ایک رسی بھی اُنھوں نے مجھ سے روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں اِس روکنے پر اُن سے لڑوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا، بات یہ تھی کہ ابو بکر کو اللہ نے اِس جنگ کے لیے شرح صدر عطا کر دیا تھا، سو میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔ (السنن الصغریٰ، نسائی، رقم 3059)

—3—

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ اِس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اِس بات کی گواہی دیں کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں، اور وہ ہمارے قبلے کا رخ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہمارے طریقے پر نماز پڑھیں۔ پھر جب وہ یہ شرطیں پوری کر دیں تو اُن کے خون اور اُن کے اموال ہم پر حرام ہوں گے، الاّ یہ کہ اُن سے متعلق کسی حق کے تحت یہ حرمت اٹھالی جائے۔ اُن کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور اُن پر وہی ذمہ داری ڈالی جائے گی جو مسلمانوں پر ڈالی جاتی ہے۔ (ترمذی، رقم 2550)

جاوید احمد غامدی

اصول و مبادی

اول یہ کہ قرآن حق و باطل کے لیے میزان اور فرقان اور تمام سلسلۂ وحی پر ایک 'مُھَیۡمِن' ہے۔ یہ اِس لیے نازل کیا گیا ہے کہ دین و شریعت کے معاملے میں لوگوں کے مابین تمام اختلافات کا فیصلہ کر دے اور اِس کے نتیجے میں وہ ٹھیک حق پر قائم ہو جائیں۔ قرآن نے اپنی یہ حیثیت اپنے لیے خود بیان فرمائی ہے، لہٰذا اِس کی بنیاد پر جو باتیں اُس کے بارے میں بطور اصول ماننی چاہییں، وہ یہ ہیں:

اولاً، اُس کا متن بالکل متعین ہے۔ یہ وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اِس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اُسے قراءت عامہ کہا جاتا ہے۔ اِس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً، قرآن قطعی الدلالۃ ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے الفاظ پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ انسان اُن کی رہنمائی قبول کر لے تو اُسے قطعیت کے ساتھ ٹھیک اُس مدعا تک پہنچا دیں جس کے لیے وہ لائے گئے ہیں۔ یہ صرف قلت علم اور قلت تدبر ہے جس کی بنا پر انسان بعض اوقات اُسے سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ قرآن کی زبان اور اُس کے اسالیب بیان سے اِس کا کوئی

تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنا مدعا بیان کرنے سے کبھی قاصر نہیں رہتا۔

ثالثاً، قرآن کی وہ سب آیتیں محکم ہیں جن پر اُس کی ہدایت کا مدار ہے اور متشابہات صرف وہ آیتیں ہیں جن میں آخرت کی نعمتوں اور نقمتوں میں سے کسی نعمت یا نقمت کا بیان تمثیل اور تشبیہ کے انداز میں ہوا ہے یا اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال اور ہمارے علم اور مشاہدے سے ماورا اُس کے کسی عالم کی کوئی بات تمثیلی اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔ یہ آیتیں نہ غیر متعین ہیں اور نہ اِن کے مفہوم میں کوئی ابہام ہے۔ اِن کے الفاظ بھی عربی مبین ہی کے الفاظ ہیں اور اِن کے معنی ہم بغیر کسی تردد کے سمجھتے ہیں۔ اِن کی حقیقت، البتہ ہم اِس دنیا میں نہیں جان سکتے، لیکن اِس جاننے اور نہ جاننے کا قرآن کے فہم سے چونکہ کوئی تعلق نہیں ہے، اِس لیے ہم اِس کے درپے بھی نہیں ہوتے۔

رابعاً، قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر وہ نازل ہوا ہے، اُس کے کسی حکم میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔ دین میں ہر چیز کے ردو قبول کا فیصلہ اُس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اُس سے شروع ہوتی اور اُسی پر ختم کر دی جاتی ہے۔ ہر وحی، ہر الہام، ہر القا، ہر تحقیق اور ہر راے اُس کے تابع ہے۔ بوحنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اُس کی حکومت قائم ہے اور اُس کے خلاف اِن میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔

دوم یہ کہ سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی اُسی کا حصہ ہے۔ ثبوت کے اعتبار سے اِس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اِسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اِس کے بارے میں کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

سوم یہ کہ دین صرف وہی ہے جو قرآن و سنت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اُسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و

تصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، اُن سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ دین سے متعلق جو چیزیں اُن میں آتی ہیں، وہ درحقیقت، قرآن و سنت میں محصور اِسی دین کی تفہیم و تبیین اور اِس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہیں۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے۔ چنانچہ دین کی حیثیت سے اِس دائرے سے باہر کی کوئی چیز نہ حدیث ہو سکتی ہے اور نہ محض حدیث کی بنیاد پر اُسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

اِس دائرے کے اندر، البتہ حدیث کی حجت ہر اُس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اُس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اُسے قبول کر لیتا ہے۔ اُس سے انحراف پھر اُس کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اُس میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

[2010ء]

سید منظور الحسن

اسرا و معراج

تفہیم و تبیین جاوید احمد غامدی

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(1)

دیباچہ

”اسرا و معراج“ کے زیرِ عنوان یہ تحریر استاذِ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی کے موقف کا بیان ہے۔ اِسے اُن کی ویڈیو سیریز ”غامدی صاحب کے فکر پر 23 اعتراضات کے جواب میں“ کی اقساط 34 تا 37 سے اخذ کیا گیا ہے۔ اِس سیریز میں روایتی مذہبی فکر کے وہ اعتراضات زیرِ بحث ہیں، جو غامدی صاحب کے افکار پر بالعموم کیے گئے ہیں اور جنھیں علما کی اجماعی آرا کے مقابل میں اُن کے تفردات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت قرآن و سنت اور حدیث و سیرت کے مختلف مباحث کی رائج تعبیرات ہیں۔ غامدی صاحب نے اِنھیں قرآن و سنت کے نصوص اور حدیث و سیرت کے حقائق کے خلاف قرار دے کر جزواً یا کلیتاً قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔

اِس سلسلۂ مباحث میں سوال و جواب اور بحث و مکالمے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ شریکِ گفتگو

محمد حسن الیاس صاحب ہیں۔ اُنھوں نے تمام بحثوں کو بالاستیعاب ترتیب دے کر نہایت خوش اسلوبی سے استاذِ گرامی کے سامنے پیش کیا ہے۔ استاذِ گرامی نے جوابی گفتگو میں روایتی نقطۂ نظر کی تشریح کی ہے، اُس کے دلائل کا تجزیہ کیا ہے اور اُس کے مقابل میں اپنے موقف کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

راقم اِس سلسلۂ مباحث کو مقالات کی صورت میں تالیف کر رہا ہے۔ اِس کے لیے تفصیلی بحثیں اجزا میں تقسیم کی ہیں اور اشارات کی وضاحت اور اجمالی نکات کی تفصیل کی ہے۔ حسبِ موقع استاذِ گرامی کی تصانیف سے متعلقہ اقتباس نقل کیے ہیں۔ تشریح و توضیح اور تائید و تاکید کے لیے جلیل القدر اہل علم کی کتابوں کے حوالے بھی درج ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو موضوعات آڈیو ویڈیو کی صورت میں دستیاب ہیں، وہ تحریری شکل میں بھی سامنے آ جائیں تاکہ طلبہ اور محققین کے لیے اُن سے استفادہ آسان ہو جائے۔ جمع و ترتیب اور تحقیق و تدوین میں معاونت کے لیے شاہد محمود صاحب کی خدمات مختص ہیں۔ وہ یہ کام نہایت ذمہ داری سے انجام دے رہے ہیں۔

یہ مقالات استاذِ گرامی کے افکار کے بارے میں راقم کے فہم کا بیان ہیں، تاہم خوش نصیبی ہے کہ یہ اُن کی نظر ثانی سے بھی گزر رہے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں فہم و بیان کے نمایاں تسامحات کی اصلاح ساتھ ساتھ ہو رہی ہے۔

دینی موضوعات پر استاذِ گرامی کے اعلیٰ علمی مباحث کو اُنھی کے مکالمات سے اخذ کر کے تحریر کرنا اور اِس مقصد کے لیے اُن کی اصولی رہنمائی کا میسر ہونا شرف و امتیاز کا باعث ہے۔ یہ پروردگار کی عظیم عنایت ہے، جو راقم کی اہلیت اور بساط سے یقیناً بہت بڑھ کر ہے۔ الحمد للہ۔

مذکورہ ویڈیو سیریز کی تشکیل اور اُس پر مبنی اِس سلسلۂ مقالات کی تالیف کا کام ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ المورد، امریکہ'' کے زیرِ اہتمام جاری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے اور افراد کی اِس اجتماعی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

[باقی]

آثارِ صحابہ

وہ صحبت نشینانِ ختم الرسل — وہ تیرہ شبوں میں دلیلِ سبل
وہ حق کی، صداقت کی تصویر تھے
وہ انساں کے خوابوں کی تعبیر تھے

تفہیم الآثار

ڈاکٹر عمار خان ناصر

صحابہ سے متعلق ائمۂ اہل بیت کے آثار

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے متعلق سیدنا علی کے آثار

(10)

(1)

عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ؟ قَالُوا: بَلَى. قَالَ: أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. ثُمَّ قَالَ : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالُوا : بَلَى. قَالَ : عُمَرُ، وَلَوْ شِئْتُ لَأَخْبَرْتُكُمْ بِالثَّالِثِ. (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم 175)

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمھیں اس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کا بہترین فرد ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ضرور بتایئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ پھر پوچھا کہ کیا میں تمھیں اس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد اس امت کا بہترین فرد

ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ضرور بتائیے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ۔ اور اگر میں چاہوں تو (ان دونوں کے بعد) تیسرے بہترین فرد کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں۔“

شرح و وضاحت

سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کا، امت کی بہترین اور سب سے افضل شخصیات ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی صحابہ کے مابین ایک معلوم و معروف امر تھا، جس کا ذکر متعدد روایات میں ملتا ہے۔ مثلاً عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كنا نخير بين الناس فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم فنخير أبا بكر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضى الله عنهم.

(بخاری، رقم 3488)

”ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے اصحاب کے مابین فرق مراتب بیان کرتے تو سب سے افضل ابو بکر کو، پھر عمر بن الخطاب کو اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو شمار کرتے تھے۔“

طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے:

ويسمع ذلك النبى صلى الله عليه وسلم ولا ينكره.

(المعجم الکبیر، رقم 13132)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سنتے اور اس پر انکار نہیں فرماتے تھے۔“

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كنا نعد وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم متوافرون: خير هذه الامة بعد نبيها أبو بكر وعمر.

(فضائل الصحابۃ، ابن حنبل، رقم 47)

”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کثرت سے موجود تھے تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر اور عمر کو اس امت کے بہترین افراد شمار کیا کرتے تھے۔“

سیدنا علی سے بھی متعدد مواقع پر اس کا اظہار مروی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے زیر بحث اثر میں انھی میں سے ایک موقع کا ذکر ہوا ہے۔

تخریج اور اختلاف طرق

سیدنا علی کا یہ قول صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ صحابہ میں اس کے راویوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اثر بہ ظاہر طبرانی کی ''المعجم الکبیر'' کے علاوہ کسی دوسرے مصدر میں منقول نہیں۔ ابو نعیم نے ''الامامۃ والرد علی الرافضۃ'' (رقم 59) میں اسے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے، تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔

2۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر جنازے کے آگے یا پیچھے چلنے کے مسئلے پر ان کا سیدنا علی کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ ابو سعید نے اس کے متعلق سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کے عمل کا حوالہ دیا تو سیدنا علی نے کہا:

إن خير هذه الامة أبو بكر بن أبي قحافة وعمر بن الخطاب، ثم الله أعلم بالخير أين هو.

(مصنف عبد الرزاق، رقم 6065)

''بے شک، اس امت کے بہترین افراد ابو بکر بن ابی قحافہ اور عمر بن الخطاب ہیں۔ پھر ان کے بعد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے بہتر ہے۔''

3۔ ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ السوائی کے طریق سے یہ اثر درج ذیل مصادر میں مروی ہے:

مسند احمد، رقم 820، 821، 822۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 31311۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم 7523۔ فضائل الصحابۃ، ابن حنبل، رقم 36، 37۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر 44/ 196۔

ایک طریق میں ابو جحیفہ نے اس اثر کی شان ورود یوں بیان کی ہے:

لما كان يوم الجمل تشاجر الناس فى أبي بكر وعمر، فقال علي: الصلاة جامعة فقال: خير هذه الامة بعد نبيها أبو بكر والثاني عمر.

(تاریخ دمشق 44/ 202)

''جنگ جمل کے موقع پر لوگ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ سیدنا علی نے نماز باجماعت کا اعلان کیا اور (نماز کے بعد اپنے خطبے میں) فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین افراد

ابو بکر اور عمر ہیں۔“

مسند احمد کے ایک طریق میں اثر کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں:

خطبنا علی فقال: من خیر هذه الامة بعد نبیها؟ فقلت: أنت یا أمیر المؤمنین، قال: لا، خیر هذه الامة بعد نبیها أبو بكر ثم عمر، وما نُبْعِدُ أن السكينة تنطق على لسان عمر. (مسند احمد، رقم 821)

”سیدنا علی نے ہمیں خطبہ دیا اور پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین افراد کون ہیں؟ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین، آپ ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی بہترین شخصیات ابو بکر اور پھر عمر ہیں اور ہم اس کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ عمر کی زبان پر سکینہ، (یعنی اللہ کی اتاری ہوئی خاص رہنمائی) جاری ہوتی ہے۔“

ایک طریق میں ابو جحیفہ اثر کے آخر میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ:

فرجعت الموالی کلهم یقولون عنى عثمان ورجعت العرب وهم يقولون عنى نفسه.

(تاریخ دمشق 44/203)

”یہ سن کر اہل عجم یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے کہ (تیسرے شخص سے) سیدنا علی کی مراد عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، جب کہ اہل عرب یہ کہتے ہوئے لوٹے کہ سیدنا علی کا اشارہ خود اپنی طرف تھا۔“

جب کہ ایک اور طریق میں کہتے ہیں:

ثم نزل علی من المنبر وهو يقول: عثمان عثمان. (حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم، رقم 12926۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر 39/156۔ تاریخ بغداد، خطیب 7/72۔ معجم اسامی شیوخ ابی بکر الاسماعیلی، رقم 86۔ ستۃ مجالس، ابویعلیٰ الفراء، رقم 41)

”پھر سیدنا علی یہ کہتے ہوئے منبر سے اتر آئے کہ (وہ تیسرا شخص) عثمان ہے، عثمان ہے۔“

ایک اور طریق میں ابو جحیفہ نے یہ اثر سیدنا علی کے ساتھ اپنے ایک مکالمے کی صورت میں

نقل کیا ہے:

عن أبي جحيفة، قال: كنت أرى أن عليا أفضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم - فذكر الحديث - قلت: لا والله يا أمير المؤمنين، إني لم أكن أرى أن أحدا من المسلمين بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أفضل منك. قال: أفلا أحدثك بأفضل الناس كان بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: قلت: بلى، فقال: أبو بكر، فقال: أفلا أخبرك بخير الناس كان بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر؟ قلت: بلى. قال: عمر.

(مسند احمد، رقم 1031)

”ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ، سب لوگوں میں افضل ہیں۔ پھر انھوں نے سیدنا علی کے ساتھ اپنا مکالمہ بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین، بخدا میں نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی آپ سے افضل ہو سکتا ہے۔ سیدنا علی نے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ہستی کے متعلق نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کہ ضرور بتائیے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر کہا کہ: کیا میں تمھیں اس شخص کے متعلق نہ بتاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل ہے؟ میں نے کہا کہ ضرور بتائیے۔ انھوں نے کہا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔“

4–8۔ مذکورہ صحابہ کے علاوہ اس اثر کو ابن عساکر نے ابو ہریرہ، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے طرق سے بھی نقل کیا ہے (تاریخ دمشق 30/ 351، 44/ 213)، جب کہ بعض مصادر میں یہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ (المعجم الاوسط، طبرانی، رقم 5705) اور عمرو بن حریث (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم 176۔ تاریخ دمشق 44/ 213) سے بھی مروی ہے۔

تابعین میں سے اس اثر کو روایت کرنے والوں میں سب سے نمایاں، سیدنا علی کے فرزند محمد ابن الحنفیہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں:

قلت لأبي: أي الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: أبو بكر، قلت: ثم من؟ قال: ثم عمر، وخشيت أن يقول: عثمان، قلت: ثم أنت؟ قال: ما أنا إلا رجل من المسلمين. (بخاری، رقم 3501)

”میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین ہستی کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ابو بکر۔ میں نے پوچھا کہ ان کے بعد کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ عمر۔ مجھے خدشہ ہوا کہ (تیسرے نمبر پر) وہ کہیں عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں، تو میں نے کہا کہ اس کے بعد آپ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں تو بس مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔“

محمد ابن الحنفیہ کا یہ مکالمہ درج ذیل مصادر میں بھی روایت ہوا ہے:

سنن ابی داؤد، رقم 4076۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 31306۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم 7765۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم، رقم 6616، 6617۔ فضائل الصحابۃ، ابن حنبل، رقم 136۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ، لالکائی، رقم 2518۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم 1207۔ تاریخ بغداد، خطیب 13/ 462۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر 30/ 347۔

تابعین میں دوسرا نمایاں نام عبد خیر کا ہے جو سیدنا علی کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ان سے یہ اثر متعدد طرق سے امام احمد نے ”مسند“ اور ”فضائل الصحابۃ“ میں روایت کیا ہے (مسند احمد، رقم 892، 893۔ فضائل الصحابۃ، ابن حنبل، رقم 38)۔ عبد خیر سے اس اثر کے راوی حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ میں نے عبد خیر سے پوچھا کہ کیا آپ نے خود یہ بات سیدنا علی سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: 'نعم، ورب الكعبة، وإلا فصمتا'، ”رب کعبہ کی قسم، ہاں! اگر نہ سنی ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں“ (مسند ابی یعلیٰ، رقم 517۔ مسند احمد، رقم 893)۔

بعض طرق میں عبد خیر نے اس اثر کا موقع ورود یہ بیان کیا ہے کہ جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد نہروان کے مقام پر خوارج کے خلاف جنگ کے موقع پر سیدنا علی نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا (تاریخ دمشق 30/ 367)۔

ایک طریق میں سیدنا عمر کے ذکر کے بعد یہ جملہ ہے: 'ثم یجعل اللّٰہ الخیر حیث أحب'، ''پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، خیر عطا کر دیتا ہے'' (مسند احمد، رقم 906، 1008)۔

بعض طرق میں آخری جملے کے الفاظ یوں ہیں: 'وانا قد أحدثنا بعدهم أحداثا یقضی اللّٰہ تعالٰی فیها ما شاء'، ''ان کے بعد ہم ایسی چیزوں میں مبتلا ہو گئے ہیں جن کے متعلق اللہ جو فیصلہ کرنا چاہے گا، کرے گا'' (مسند احمد، رقم 910، 1009)۔

ابن ابی شیبہ کے نقل کردہ ایک طریق میں اثر کے الفاظ یوں مروی ہیں:

سمعت علیًا یقول: قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی خیر ما قبض علیہ نبی من الانبیاء، قال: ثم استخلف أبو بکر فعمل بعمل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبسنته، ثم قبض أبو بکر علی خیر ما قبض علیہ أحد، وکان خیر هذه الامة بعد نبیها، ثم استخلف عمر فعمل بعملهما وسننهما، ثم قبض علی خیر ما قبض علیہ أحد، وکان خیر هذه الامة بعد نبیها وبعد أبی بکر. (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 36379)

''میں نے سیدنا علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس بہترین حالت میں ہوئی جس میں اللہ کے کسی نبی کی ہو سکتی ہے۔ پھر ابو بکر کو خلیفہ بنایا گیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور سنت کے مطابق عمل کیا۔ پھر ابو بکر کی وفات بھی بہترین حالت میں ہوئی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین فرد تھے۔ پھر عمر کو خلیفہ بنایا گیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے طریقوں اور سنت کے مطابق عمل کیا۔ پھر عمر کی وفات بھی بہترین حالت میں ہوئی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کے بعد اس امت کے بہترین فرد تھے۔''

ابن عساکر نے تابعین کی ایک بڑی جماعت سے اس اثر کی روایات جمع کی ہیں۔ ان میں زر بن حبیش، نزال بن سبرہ، عمرو بن معدی کرب، حارث بن عبد اللہ، ابو الجعد الاشجعی، عمرو بن شرحبیل، مسعدۃ البجلی، ابو ہلال العتکی، عبد اللہ بن سلمہ، عبد الرحمٰن بن الاصبہانی، شریک، ابو مخلد، ابو حازم،

زید بن وہب، ابراہیم نخعی، طلحہ بن مصرف، ابو اسحاق اور علی بن شعبہ شامل ہیں (تاریخ دمشق 30/348-377۔44/196-217)۔

ابو ہلال العتکی کے طریق میں بیان ہوا ہے:

كنت جالسًا إلى جنب منبر علي بن أبي طالب وهو يخطب الناس، فسمعته يقول: خير هذه الامة بعد نبيها أبوبكر ثم عمر، فبدرته وقلت: ثم أنت يا أمير المؤمنين الثالث؟ فقال: لا، ولا الرابع. (تاریخ دمشق 44/216)

”میں علی بن ابی طالب کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین لوگ ابوبکر اور عمر تھے۔ میں نے جلدی سے پوچھا کہ اے امیر المومنین، اس کے بعد تیسرے آدمی آپ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، نہ تیسرا اور نہ چوتھا۔“

شریک کے طریق میں اسماعیل بن زیاد کہتے ہیں:

سمعت شريكا يقول لقوم من الشيعة: إنا ما علمنا بعلي حتى صعد المنبر فقال: إن خير هذه الامة بعد نبيها أبوبكر وعمر، والله ما سألناه عن ذلك، يا جاهل أفترانا كنا نقوم فنقول: كذبت؟ (تاریخ دمشق 44/217)

”میں نے شریک کو سنا، وہ سیدنا علی کے حامیوں کی ایک جماعت سے کہہ رہے تھے: ہم نے اچانک دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین لوگ ابوبکر اور عمر تھے۔ بخدا، ہم نے اس کے متعلق علی سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ (پھر شریک نے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا): اے جاہل، تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم سیدنا علی کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں؟“

ابو مخلد کے طریق میں ہے:

قال علی بن أبي طالب: ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی عرفنا أفضلنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبو بکر، وما مات أبو بکر حتی عرفنا أن أفضلنا بعد أبي بکر عمر، وما مات عمر حتی عرفنا أن أفضلنا بعد أبي بکر وعمر رجل لم یسمه.

(تاریخ دمشق 30/ 375)

”علی بن ابی طالب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی تھی کہ ہم نے جان لیا کہ ہم میں سے آپ کے بعد سب سے افضل، ابو بکر ہیں۔ اور ابو بکر کی وفات نہیں ہوئی تھی کہ ہم نے جان لیا کہ ابو بکر کے بعد ہم میں سب سے افضل، عمر ہیں۔ اور عمر کی وفات نہیں ہوئی تھی کہ ہم نے جان لیا کہ عمر کے بعد ایک آدمی ہم میں سب سے افضل ہے۔ سیدنا علی نے اس کا نام نہیں لیا۔“

مذکورہ رواۃ کے علاوہ درج ذیل راویوں سے بھی سیدنا علی کا یہ اثر مروی ہے:

عبد اللہ بن سلمہ (ابن ماجہ، رقم 105۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 31323۔ السنۃ، ابو بکر بن الخلال، رقم 359۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم 7/ 200۔ الامامۃ والرد علی الرافضۃ، ابو نعیم، رقم 58)۔

عبد اللہ بن زریر الغافقی (السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم 1214)۔

یحییٰ بن شداد (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ، لالکائی، رقم 2453)۔

[باقی]

نوا کہ چاہے تو پتھر کو جوے آب کرے
غیابِ قدرتِ یزداں کو بے نقاب کرے

تحریر و تحقیق: علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی
ترتیب و تدوین: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

حضرت انس سے مروی ایک حدیث کی توجیہ

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے، مگر کسی راوی سے اس کو سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے پاس سے تشریحی الفاظ جوڑ دیتا ہے یا اپنے فہم کی بنیاد پر اس میں اضافے کر ڈالتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اصل بات کچھ ہوتی ہے اور مختلف راویوں کے بیانوں میں کچھ اور ہو جاتی ہے۔ ذخیرۂ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ درج ذیل قصہ بھی اسی کی ایک کلاسیکل مثال ہے، جسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تحقیق علامہ میرٹھی کی کتاب ''بخاری کا مطالعہ'' پہلے حصہ سے ماخوذ ہے۔

امام بخاری نے کہا ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ

''ہم سے عبد الاعلیٰ بن حماد نے بیان کیا کہ ہم سے یزید بن زُریع نے بیان کیا کہ

قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَاءِهٖ فِي اللَّيْلَةِ الوَاحِدَةِ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعُ نِسْوَةٍ. (رقم 5215)

ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا قتادہ سے روایت کر کے کہ حضرت انس نے قتادہ وغیرہ سے بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی بیویوں پر چکر لگاتے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں نو بیویاں تھیں۔“

مسدّد بن مسرھد سے بھی اسی اِسناد کے ساتھ بخاری نے یہ حدیث رِوایت کی ہے۔ امام احمد نے یزید بن زریع سے بواسطہ عبد العزیز بن عبد الصمد اس کی روایت کی ہے (مسند احمد 3/ 166)۔

معمر نے بھی قتادہ سے یہ حدیثِ انس روایت کی ہے۔ بہ ایں لفظ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَاءِهٖ، فِيْ غُسْلٍ وَاحِدٍ. (مسند احمد 3/ 161، سنن النسائی ص 52، سنن الترمذی ص 28، سنن ابنِ ماجہ ص 44، طبعاتِ ہند)، مگر ’فِيْ غُسْلٍ وَاحِدٍ‘ قتادہ کا بیان کیا ہوا لفظ نہیں ہے۔ معمر نے اپنے فہم کے مطابق حدیثِ قتادہ میں توضیحاً یہ اضافہ کر دیا تھا۔

سعید بن ابی عروبہ و معمر بن راشد کے علاوہ ہشام دستوائی نے بھی قتادہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ہشام کی روایت کردہ حدیث میں آخر میں ذکر کروں گا۔

ثابت بنانی نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ ثابت سے معمر و حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے۔ معمر کی روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُطِيْفُ بِنِسَاءِهٖ فِي لَيْلَةٍ يَغْتَسِلُ غُسْلًا وَاحِدًا. (مسند احمد 3/ 111)

اور حماد کی روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرحمٰن حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ عَلٰى نِسَاءِهٖ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ. (مسند احمد، رقم 12515)۔ کبھی حماد نے ”طَافَ عَلٰى نِسَاءِهٖ جَمِيْعًا فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ‘ کہا ہے (مسند احمد، رقم 12221)۔ دارمی کی روایت میں لفظ ’جُمَعَ‘ ہے (سنن الدارمی، ص 103، طبع ہند)۔

حمید الطویل نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج ابو داؤد اور نسائی نے کی ہے۔ ابو داؤد کی روایت یہ ہے: 'أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَاءِهٖ فِيْ غُسْلٍ وَاحِدٍ' (سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الجنب یعود)۔

نسائی کی روایت میں ہے: 'فِي لَيْلَةٍ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ' (سنن نسائی: کتاب الطهارة، باب اتیان النساء قبل احداث الغسل)۔

ہشام بن زید نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج مسلم و احمد نے کی ہے: 'أَنَّ النَّبِيَّ صَلى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَاءِهٖ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ' (صحیح مسلم 1/ 144۔ مسند احمد 3/ 225)۔

پس حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قتادہ و ثابت بنانی و حمید الطویل اور ہشام بن زید نے روایت کی ہے۔ اور چاروں طریق سے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن اس کے متن میں بہت بڑا سقم ہے، جس کی میں ان شاء اللہ وضاحت کرنے والا ہوں۔ یہاں ناظرین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صالح بن ابی الاخضر نے یہ حدیثِ انس زہری کی طرف منسوب کر کے رِوایت کرنے کی غلطی کی تھی۔ اس کی تخریج ابن ماجہ نے کی ہے:

عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي الْأَخْضَرِ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَسْلًا فَاغْتَسَلَ مِنْ جَمِيْعِ نِسَاءِهٖ فِي لَيْلَةٍ. (سنن ابن ماجہ، رقم 589)

”صالح بن ابی الاخضر سے مروی ہے کہ زہری نے حضرت انس سے روایت کی ہے، انس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا تو اس رات آپ نے اپنی سب بیویوں سے صحبت کر کے غسل فرمایا۔“

صالح بن ابی الاخضر فاسد آدمی تھا، جھوٹا لپاٹی۔ (ابن معین کہتے ہیں: 'لیس بالقوی، وقال مرة: ضعیف'، عجلی نے کہا: 'یکتب حدیثه ولیس بالقوی'، جوزجانی کہتے ہیں: 'اتهم فی احادیثه'، تہذیب التہذیب 4/ 333)

زہری نے یہ حدیث بیان کی ہوتی تو ان کے ثقہ اور صادق الروایہ تلامذہ کے جمِ غفیر میں سے کوئی اس کی روایت کرتا۔ ہمیں یقین ہے کہ زہری نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ قتادہ و ثابت بنانی و

حمید وہشام بن زید کی روایت کردہ حدیث میں صالح بن ابی الاخضر نے اپنی طرف سے 'وَضَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَسْلًا' کا اضافہ پیوند کرکے اسے زہری کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ پس صالح بن ابی الاخضر کی یہ فاسد اور غلط روایت تو نا قابلِ التفات ہے۔ البتہ قتادہ و ثابت و حمید وہشام کی روایت کردہ حدیث کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

ان میں سے ثابت اور حمید کی روایت میں 'طَافَ' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ ایک بار کا آیا تھا۔ اور قتادہ وہِشام بن زید کی روایت میں 'کَانَ یَطُوْفُ' ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کا ذکر انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا تھا کہ اُن کے علم میں کئی بار وقوع میں آیا تھا، لیکن اس واقعہ کو ایک بار کا سمجھا جائے یا کئی بار کا۔ بہر حال اس پر یہ بجا سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت انس کو اس کا علم کیسے ہوا؟ یہ واقعہ حضرت انس کا چشم دید تو ہو نہیں سکتا۔ حضرت انس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ کم سن تھے۔ دن میں خدمت کرتے، رات کو اپنی والدہ اُم سُلیم اور سوتیلے باپ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہما کے یہاں رہتے، جیسے بچے اپنے گھر رہا کرتے ہیں۔ پوری مدت خدمت میں جو تقریباً دس سال تھی، حضرت انس نے ایک رات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بسر نہیں کی۔ لامحالہ اگر انس رضی اللہ عنہ کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ آیا تھا تو کسی سے اِسے سنا ہو گا، مگر کس سے؟ کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو، ایک نو عمر لڑکے کو اپنی شب باشی کا ایسا قصہ سنایا ہو یا ازواجِ مطہرات میں سے ہی کسی نے حضرت انس کو یہ بتا دیا ہو؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ یہ بھی قطعاً نا ممکن اور نا قابلِ تصور چیز ہے۔

یا ام سلیم والدۂ انس رضی اللہ عنہ کو کسی ام المومنین سے یہ بات معلوم ہوئی ہو اور موصوفہ نے اپنے فرزند، یعنی انس رضی اللہ عنہ کو بتادی ہو۔ واللہ، یہ بھی محال ہے۔ کوئی ماں اپنے بیٹے سے اس طرح کی بات نہیں کر سکتی۔ پس حضرت انس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس واقعہ کا علم ہونے کی قطعاً کوئی صورت نہ تھی۔ اور حضرت انس کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی بات جزم و یقین کے ساتھ کہی ہو جس کا انھیں کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت انس نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ قصہ بیان نہیں کیا تھا۔ تو کیا قتادہ بن دِعامہ و ثابت بن اسلم بنانی و حمید الطویل وہشام بن زید نے اسے گھڑ کر حضرت انس کی طرف منسوب کر دیا تھا؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ یہ چاروں حضرات نیک و متقی، سچے اور ثقہ لوگ تھے۔ انھوں نے قصداً غلط بیانی اور دروغ بافی نہیں کی، بلکہ حضرت انس کی بیان کردہ حدیث کے متعلق غلط فہمی میں پڑ گئے تھے۔ حضرت انس کی بیان کردہ حدیث کا مطلب کچھ اور تھا اور ان راویوں نے سمجھ لیا تھا کچھ اور، پھر اپنے فہم کے مطابق (کچھ لفظوں کا اضافہ کر کے) اس کی روایت کر دی۔ اصل بات یہ ہے کہ شب باشی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے درمیان نوبت مقرر فرما رکھی تھی۔ ایک ایک حرم کے یہاں ایک دن رات گزارتے۔ دن میں کھانا وغیرہ نوبت والی حرمِ محترم کے یہاں رہتا اور رات کو انھی کے یہاں آرام فرماتے، لیکن روزانہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے تمام ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے، ہر ایک کا حال اور خیریت وعافیت پوچھتے اور حاجت وضرورت دریافت فرماتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر ہر ایک کے پاس رک کر، آخر میں نوبت والی حرم کے یہاں پہنچتے۔ مرضِ وفات کے اوائل میں بھی آپ کا یہ ہی طرزِ عمل رہا، حتیٰ کہ آپ کی رضاوراحت کے پیشِ نظر تمام ازاواجِ مطہرات نے بطیب خاطر آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایامِ مرض گزارنے کی اجازت دے دی۔ بقیہ ایامِ مرض آپ کے انھی کے پاس گزرے اور اُنھی کے پاس وفات ہوئی اور وہی مقدس حجرہ قیامت تک کے لیے آپ کی آرام گاہ بنا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَاَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

یہ تمام ازواج کے یہاں آپ کا تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے جانا کبھی دن میں چاشت کے وقت ہوتا تھا، کبھی نماز عصر کے بعد، کبھی مغرب وعشا کے درمیان۔ حضرت انس نے یہی بات ان الفاظ میں ذکر کی تھی: ’كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَاءِهٖ جَمِيْعًا‘۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواجِ مطہرات پر چکر لگاتے تھے، یعنی حال وضرورت پوچھنے کے لیے یکے بعد دیگرے سب امہات المومنین کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ سننے والوں، یعنی ثابت و حمید وہشام بن زید نے اس کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے سب سے جماع فرماتے تھے۔ اسی مطلب کے مطابق اِن حضرات نے اس کی روایت کر دی اور اس

مطلب کی وضاحت کے لیے ’بِغُسْلٍ وَاحِدٍ‘ کا اضافہ کر دیا۔ قتادہ و ثابت و حمید و ہشام کے علاوہ حضرت انس سے یہ حدیث مطر الورّاق نے بھی روایت کی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ مُوسٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ هِلَالٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مَطَرُ الْوَرَّاقُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى تِسْعِ نِسْوَةٍ فِي ضَحْوَةٍ. (مسند احمد 3/ 239)

’فِيْ ضَحْوَةٍ‘ کے معنی ہیں: بوقتِ چاشت (دن چڑھے)۔ یہ روایت اس حدیثِ انس کے صحیح معنی و مطلب پر جس کی میں نے تقریر کی ہے، دلالت کر رہی ہے۔ اور ہشام دَستُوائی نے جو یہ حدیث قتادہ سے روایت کی ہے، اُس میں اس مطلب کی مزید وضاحت ہے۔ اس کی تخریج امام بخاری و امام احمد نے کی ہے۔ ہِشام کا بیان ہے کہ قتادہ نے کہا:

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُوْرُ عَلٰى نِسَاءِهٖ فِي السَّاعَةِ الوَاحِدَةِ، مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَهُنَّ إِحْدٰى عَشَرَةَ. قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَوَكَانَ يُطِيْقُهُ؟ قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ ”أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ. وَقَالَ سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ: إِنَّ أَنَسًا، حَدَّثَهُمْ تِسْعُ نِسْوَةٍ. (بخاری، رقم 268)	”ہم سے حضرت انس نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں کبھی رات کو، یعنی آغاز شب میں اور کبھی دن کو اپنی عورتوں پر گھومتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے کہا کہ کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم آپس کی بات چیت میں یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔ اور سعید بن ابی عروبہ نے یہ کہا ہے کہ انس نے بتایا کہ وہ نو تھیں۔“

یہ گیارہ اور نو کا ذکر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عمرۃ القضاء سنہ 7ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں نو ہو گئیں۔ حضرت سیدہ سودہ، حضرت سیدہ ام بنت حارث، حضرت سیدہ صفیہ، حضرت سیدہ اُم حبیبہ، حضرت سیدہ حفصہ، حضرت سیدہ عائشہ، سلمہ، (کنیز) تھیں۔ اور دو آپ کی سَریَّہ حضرت

سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ جویریہ، حضرت سیدہ میمونہ۔

حضرت رَیحانہ قُرَظیہ اور حضرت ماریہ قِبطیہ رضی اللہ عنہما۔ قتادہ نے جب ہِشام دَستوائی سے یہ حدیث بیان کی تھی تو ان دونوں کو بھی مراد لے لیا تھا اور جب سعید سے بیان کی تھی تو صرف منکوحہ ازواجِ مطہرات کو مراد لیا تھا۔ ہاں تو اس روایت میں 'فِی السَّاعَةِ الوَاحِدَةِ' کا لفظ بتارہا ہے کہ اس حدیث میں 'یَدُوْرُ' یا 'یَطُوْفُ' کا لفظ وطی و جماع کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ 'یَزُوْر' اور 'یَلْقِی' کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ہشام دَستُوائی کی رِوایت میں ہے: 'قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لِاَنَسٍ: أَوَکَانَ یُطِیْقُهٗ؟' قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضرت انس سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طاقت رکھتے تھے؟

قتادہ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد جس کے گھر نو منکوحہ بیویاں اور دو سَریَّہ (کنیز) ہوں، اگر وہ نوبت بہ نوبت ہر بیوی سے جماع کرے تو ہر بیوی سے نویں دن جماع کرے گا۔ اور ہفتہ یا عشرہ میں کسی جوان عورت سے جماع کیا جائے تو اس عورت کی صحت پر کوئی مضر اور غلط اثر نہیں پڑتا، لیکن ہر رات جماع کرنے والے مرد کی صحت بے حد خراب ہو جائے گی۔ رَعشہ کی بیماری، ضعفِ گردہ، ہضم کی خرابی، قُویٰ کا اضمحلال، بینائی میں فتور ایسے عوارض ہیں جن میں وہ مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے کوئی قوی سے قوی مرد بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ مسلسل ایک ماہ تک ہر رات جماع کرتا رہے، برسوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت انس نے فرمایا: 'کُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهٗ أُعْطِیَ قُوَّةَ ثَلَاثِیْنَ'، ''ہم اصحاب رسول باہم یہ بات کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا ہوئی ہے۔'' حضرت انس نے یہ نہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ ہمارے درمیان یہ بات معروف تھی اور تیس (30) سے مراد غالباً خاص تیس (30) کا عدد نہیں، بلکہ مراد تکثیر ہے۔ اور یہ حقیقت شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نہایت عالی مرتبہ برگزیدہ بندے، منتخب روزگار اور ظاہری وباطنی تمام قوتوں میں سب سے فائق وممتاز تھے۔ حضرت انس نے یہ بات کہہ کر قتادہ کو یہ فہمایش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انسانوں پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کرو۔ ہِشام دَستُوائی کی روایت صحیح بخاری طبع ہند ص 41 پر ہے اور مسند احمد ج 3 ص 291 طبع ہند میں ہے۔

’قَالَ قَتَادَةَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَوَكَانَ يُطِيْقُهُ؟‘ یہ اصل حدیث کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ راویوں کا اپنا اضافہ ہے۔ یہ قتادہ اورانس کے درمیان جو سوال و جواب ہوا، اسی سے اصل حدیث کے اصل معنی بگڑ گئے اور بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

محمد سعد سلیم

علامات قیامت اور تاریخی واقعات:
بائیبل اور قرآن کی روشنی میں

(3)

دجال سے پہلے عرب، فارس اور روم پر فتح

دجال سے پہلے تاریخی واقعات کو ایک اور حدیث میں اکٹھا بیان کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب، پھر فارس، پھر روم اور آخر میں دجال پر فتح کی پیشین گوئی فرمائی۔[1]

یہ تاریخی واقعات سے مطابقت رکھتی ہے: مسلمانوں کے ہاتھوں عرب کی مکمل فتح 633ء میں، فارس کی فتح 651ء میں، بازنطینی (رومی) سلطنت کا خاتمہ 1453ء میں اور افغانستان میں سوویت افواج کی شکست، جس کے بعد 1991ء میں سوویت یونین کا انہدام ہوا۔

دجال کی خصوصیات

احادیث میں دجال کی کئی نمایاں خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جنھیں ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

پیشانی پر ”کافر“ کا نشان — سوویت یونین کا الحاد اور مذہب دشمنی کا علانیہ اظہار

جیسے کتابِ مکاشفہ میں ”سمندر کے جانور“ — جو رومی سلطنت کی علامت تھا — کے سروں پر

1- Sahih Muslim 2900: https://sunnah.com/muslim:2900

گستاخانہ الفاظ تحریر تھے،[2] ویسے ہی دجال کے ماتھے پر ”کافر“ لکھا ہو گا،[3] جسے ہر مسلمان، خواہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ، بہ آسانی پہچان سکے گا۔[4]

پیشانی انسانی جسم کا سب سے نمایاں حصہ ہے، جو کھلی اور ناقابلِ انکار شناخت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ دجال کی پیشانی پر ”کافر“ لکھا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی پہچان اور کفر پوشیدہ نہیں، بلکہ علانیہ ہو گا۔ اسی طرح سوویت یونین نے بھی مذہب سے انکار کو چھپایا نہیں، بلکہ اسے ایک نظریاتی فخر کے طور پر اپنایا۔ سوویت یونین انسانی تاریخ میں واحد ریاست کے طور پر سامنے آتی ہے، جس کی سرکاری نظریاتی پالیسی نے تمام موجودہ مذاہب کے خاتمے، مستقبل میں مذہبی عقائد کے فروغ کی روک تھام اور طویل المدتی مقصد کے طور پر ریاستی الحاد کے قیام کی باقاعدہ کوشش کی۔[5] ریاستی سطح پر سائنسی دہریت کو فروغ دیا گیا اور مذہب کو ایک پس ماندہ، غیر سائنسی عقیدہ قرار دے کر اس کے مکمل خاتمے کو ایک سرکاری ہدف بنایا گیا۔ اس نظریے کا عملی مظاہرہ نہ صرف مذہبی اداروں کی بندش، بلکہ خاص طور پر ابراہیمی مذاہب کے ماننے والوں پر ریاستی جبر اور دباؤ کی صورت میں بھی ہوا۔

کوئی ہمیں نجات نہیں دے گا
نہ خدا، نہ زار، نہ کوئی ہیرو
ہم اپنی آزادی جیتیں گے
اپنے ہی ہاتھوں سے

---

[2]۔ Revelation 13:1–10:
https://www.bible.com/bible/111/REV.13.1-10.NIV

[3]۔ Sahih Bukhari 1555: https://sunnah.com/bukhari:1555

[4]۔ Sahih Muslim 2934b:
https://sunnah.com/muslim:2934b

[5]۔ فروز، پال۔ ”سوویت روس میں جبری سیکولرائزیشن: ایک دہری اجارہ داری کیوں ناکام ہوئی؟“ جرنل برائے سائنسی مطالعۂ دین، جلد 43، شمارہ 1 (مارچ 2004ء): صفحات 35–50۔ شائع کردہ: وائیلی۔ الحاد کی تاریخ: https://doi.org/10.1017/9781108562324.047

انٹر نیشنل کے اشعار (جو 1922ء سے 1944ء تک سابقہ سوویت یونین کے قومی ترانے کا حصہ تھے)، جو کمیونزم کے الحادی اور مذہب مخالف نظریے کی عکاسی کرتے ہیں۔

دجال کی ایک آنکھ اور گھنگریالے بال ہونا— سوویت نظام کی عملی و نظریاتی خامیاں

حدیث میں دجال کا ایک آنکھ سے اندھا ہونا کمیونزم کے محدود نقطۂ نظر کی علامت ہے، جو صرف ایک بے طبقہ اور بے ریاست معاشرے کے تصور پر مرکوز ہے۔[6] یہ نظریہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ انسانی باہمی انحصار کو نظر انداز کرتا ہے، جس کے نتیجے میں کمیونزم کی ناکامیاں اور اس کے نفاذ کے دوران میں ہونے والے تباہ کن نقصانات نمایاں ہوئے۔ اسی طرح، دجال کے گھنگریالے بال اس کے بدصورت اور بے ڈھنگے پن کی نشانی ہیں، جو بند اور کنٹرول شدہ معاشروں، طاقت کے ذریعے سے مسلط کردہ مساوات، آزادی اظہار کی عدم موجودگی، اور سماجی و سیاسی جبر کی شکل میں سامنے آئیں۔ یوں، دجال کا یہ ظاہری بگاڑ کمیونزم کے نظریاتی اور عملی تضادات کی علامت بن جاتا ہے، جو ایک مثالی سماج کے بجائے ظلم، دباؤ اور استبداد کی راہ ہموار کرتا ہے۔

دجال بطور جھوٹا مسیح— سوویت نظام کی طرف سے انسانیت کے مسائل کے حل کا دعویٰ

کمیونزم نے مساوات اور انصاف کا جھوٹا وعدہ کیا، لیکن عملاً ایک سخت گیر، جابرانہ اور غیر انسانی نظام قائم کیا۔ یہ نظام دجال کے ''جھوٹے مسیح'' ہونے کی علامتوں سے مماثلت رکھتا ہے— ایسا مسیحا جو انسانوں کو نجات کا جھوٹا خواب دکھاتا ہے، مگر انھیں ایک نئے ظلم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سوویت ریاست نے غربت، طبقاتی ناانصافی اور سرمایہ داری کے خلاف حقیقی عوامی جذبات کو

[6] Sahih Muslim 169b: https://sunnah.com/muslim:169b۔

استعمال کرتے ہوئے سوشلسٹ جنت کا فریب پھیلایا۔ اس فریب کے نتیجے میں پر تشدد انقلابات، جبری اجتماعی زراعت، طبقاتی تطہیر اور مذہب و آزادی اظہار پر بے مثال پابندیاں مسلط کی گئیں۔ سوویت پالیسیوں کا مجموعی اثر یہ تھا کہ انسان کو خدا سے کاٹ کر ریاست کی اطاعت پر مجبور کیا گیا، جو دجالی فتنہ کی عملی شکل تھی۔

دجال کی جنت اور دوزخ—سوویت نظام کے وعدوں اور حقیقت میں تضاد

حدیث میں بیان ہوا ہے کہ دجال جس جنت کی طرف بلائے گا، وہ درحقیقت جہنم ہو گی؛ اور دجال کی آگ یا جہنم ٹھنڈی اور میٹھے پانی کے مانند ہو گی، اس لیے انسان کو وہی چننا چاہیے۔[7]

کمیونسٹ نظام نے بھی زمین پر جنت، برابری اور انصاف کا وعدہ کیا تھا۔ مگر عملی طور پر یہ وعدہ ایک خوف ناک دھوکا ثابت ہوا۔ سرمایہ داری کو استحصال کی علامت بنا کر پیش کیا گیا، لیکن خود کمیونسٹ ریاستیں جبر، قحط اور ظلم کی بدترین مثال بن گئیں۔ سوویت یونین میں جبری مزدوری، گولاگ کیمپوں اور سیاسی تطہیر کے نتیجے میں لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنے۔ چین میں ”آگے کی جانب ایک عظیم چھلانگ“ کے دوران میں 1958ء سے 1962ء تک، ریاستی پالیسیوں کے باعث اندازاً ڈیڑھ سے ساڑھے پانچ کروڑ افراد بھوک اور افلاس کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔

اس کے برعکس، اسی دور میں سرمایہ دارانہ معاشروں نے معاشی ترقی، سائنسی ایجادات اور فرد کی آزادی میں نمایاں پیش رفت کی۔ یہ تضاد اس حدیث کی علامتی سچائی کو واضح کرتا ہے— دجال کی پیش کردہ جنت دراصل تباہی کا راستہ تھی، جب کہ اس کے مخالف سمت میں نجات کی حقیقی راہیں پوشیدہ تھیں۔

[7]۔ Sahih Bukhari 3450, 3451, 3452: https://sunnah.com/bukhari:3450

دجال بطور جھوٹا نبی–سوویت نظام کی طرف سے انسانیت کی رہنمائی کا دعویٰ

دجال کو جھوٹا نبی[8] کہا گیا ہے، کیونکہ وہ جھوٹے طور پر اقتدار، اخلاقی برتری اور انسانیت کی رہنمائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک حقیقی نبی جو الٰہی ہدایت فراہم کرتا ہے، کے برعکس، دجال شیطان کا نمایندہ ہے—بالکل کتاب مکاشفہ کے "جھوٹے نبی" کے مانند، جو شیطان کی آواز میں بولتا ہے۔[9] سوویت نظام نے دہریت کو ریاستی پالیسی کا درجہ دیا، اور مذہب کو 'عوام کے لیے افیون' قرار دے کر سرکاری طور پر مساجد، گرجاگھروں اور مذہبی اداروں کو بند کرایا۔ اس نظام نے الحاد اور مادہ پرستی کو فروغ دیا، جو خدا کے انکار اور اخلاقی اقدار کی بے توقیری پر مبنی تھا۔

دجال کا دورانیہ (1917ء–1991ء)

احادیث کے مطابق، دجال کا دورانیہ 40 دن ہو گا، ایک دن ایک سال کے برابر ہو گا، ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہو گا اور بقیہ دن عام دنوں کی طرح۔[10] بالکل اسی طرح، جیسے کتاب دانیال[11] اور کتاب مکاشفہ[12] میں پیشین گوئیوں میں ریاضی کی

---

[8]۔ Sahih Bukhari 7121: https://sunnah.com/bukhari:7121

[9]۔ Revelation 19:20 : https://www.bible.com/bible/111/REV.19.20.NIV

[10]۔ Sahih Muslim 2937a: https://sunnah.com/muslim:2937a

[11]۔ Daniel 9:24-27: https://www.bible.com/bible/111/dan.9.24-27.NIV

[12]۔ Revelation 13:18: https://www.bible.com/bible/111/REV.13.18.NIV

پہیلیاں پیش کی گئی ہیں، یہ بھی ایک ریاضی کی پہیلی ہے۔ اس پہیلی میں ”دن“ ادوار کی نمایندگی کرتے ہیں۔ اگر الٹا پڑھا جائے تو پہلا دور ایک ہفتہ، یعنی 7 دن کا، دوسرا دور ایک مہینا، یعنی 30 دن کا اور باقی 38 (کل 40 دنوں میں سے) عام دنوں کی طرح، یعنی یہ 38 ادوار کی نمایندگی نہیں کرتے۔ ”ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا“ کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن حقیقی وقت میں ایک سال کے مساوی ہے۔

یہ ادوار—7 سال، 30 سال اور 38 سال—دجال کے اثرات کے مختلف مراحل کی نمایندگی کرتے ہیں:

- پہلا دور - 7 سال (انقلابی ابتدا- لینن کا دور): 1917ء کے فروری انقلاب کے بعد، لینن کی روس واپسی جمادی الثانی 1335 ہجری[13] میں ہوئی، جس کے بعد کمیونسٹوں میں سے بالشویک گروہ ایک طاقت کے طور پر اٹھا اور اسی سال انقلاب برپا کیا۔ لینن کی یہ واپسی اس کی وفات، جو جمادی الثانی 1342 ہجری[14] میں واقع ہوئی، سے ٹھیک سات سال قبل ہوئی، جو ایک ہفتے کے دورانیے کی علامتی نمایندگی کرتی ہے۔ لینن کے دور میں انقلابی تحریکوں نے زور پکڑا اور سوویت ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔
- دوسرا دور - 30 سال (طاقت کا عروج - اسٹالن کا دور): اسی طرح، جمادی الثانی 1372 ہجری[15] میں اسٹالن کی موت واقع ہوئی، جو لینن کی وفات کے ٹھیک 30 اسلامی سال بعد کا واقعہ ہے، اور یہ مہینے کے دورانیے کی علامتی نمایندگی کرتی ہے۔ اسٹالن کے دور میں اقتدار کو مضبوط کیا گیا، سوویت یونین کو تیزی سے صنعتی ترقی کی راہ پر گامزن کیا گیا، اور ساتھ ہی عوام پر سخت جبر اور خوف کا نظام نافذ کیا گیا۔ اسٹالن کی حکمرانی میں سوویت ریاست نے ایک عالمی طاقت کا درجہ حاصل کیا۔

---

[13]۔ اسلامی مہینا، ترکی کے اسلامی کیلنڈر کنورٹر کے مطابق 16/ اپریل 1917ء کے حساب سے نکالا گیا:
https://webspace.science.uu.nl/~gent0113/islam/diyanetcalendar.htm

[14]۔ 21/ جنوری 1924ء کے مطابق۔

[15]۔ 5/ مارچ 1953ء کے مطابق۔

- تیسرا دور - 38 سال (زوال کا آغاز اور انجام): اس کے بعد کے ادوار میں سوویت یونین کی قیادت اور کمیونسٹ تحریک کی شدت میں وہ نمایاں پہلو نظر نہیں آیا جو لینن اور اسٹالن کے عہد میں تھا۔ اسٹالن کی موت کے بعد کمیونزم نے، بلاشبہ دنیا بھر میں پھیلاؤ حاصل کیا اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکا میں انقلابات اور حکومتوں پر گہرے اثرات ڈالے۔ مگر اندرونی ناکامیاں، اقتصادی مسائل، قوم پرستی کی تحریکیں اور سرد جنگ کے بین الاقوامی دباؤ نے سوویت یونین اور کمیونسٹ بلاک کو بہ تدریج کم زور کر دیا۔ بالآخر، اسٹالن کی موت کے ٹھیک 38 اسلامی سال بعد، جمادی الثانی 1410 ہجری[16] میں دیوارِ برلن کے گرنے کے ساتھ ہی کمیونسٹ پارٹی کی اجارہ داری کو ختم کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دنیا بھر میں کمیونزم کے زوال کی علامت بن گیا، جس کے بعد سوویت یونین کے ٹوٹنے اور عالمی سطح پر کمیونسٹ تحریک کے کم زور پڑ جانے کا عمل تیزی سے اسٹالن کی موت کے ٹھیک 40 اسلامی سال بعد، جمادی الثانی 1412 ہجری[17] میں مکمل ہوا۔

دجال کی تعداد—30 کمیونسٹ ریاستیں

حدیث کے مطابق، تقریباً تیس دجال ہوں گے، جو نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔[18]

یہ تعداد تقریباً دنیا میں ماضی کی تیس کمیونسٹ ممالک سے مطابقت رکھتی ہے۔ جھوٹے نبیوں کی طرح، کمیونسٹ حکومتوں نے خود کو مطلق سچائی کا علم بردار بنا کر پیش کیا، اپنے نظریے کو انسانیت کے لیے واحد روشنی قرار دیا اور طاقت کے ذریعے سے اطاعت مسلط کی۔

اس تناظر میں سوویت یونین کو مرکزی دجال سمجھا گیا ہے۔ کچھ کمیونسٹ ریاستیں مختصر مدت کے لیے قائم رہیں اور بعد میں سابق سوویت یونین میں ضم ہو گئیں، جب کہ بعض میں مخلوط نظام

---

[16]۔ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے 23/ جنوری 1990ء کو پارٹی کی طاقت پر اجارہ داری ختم کرنے کے لیے ووٹ دیا، جس سے کثیر الجماعتی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔

[17]۔ 26/ دسمبر 1991ء کے مطابق۔

[18]۔ Sahih Bukhari 7121:

https://sunnah.com/bukhari:7121

پایا جاتا تھا، جس کی وجہ سے حدیث میں ”تقریباً“ کا ذکر کیا گیا۔ ان ریاستوں میں سے تمام یا تو تحلیل ہو چکی ہیں یا اصلاحات کے ذریعے سے اپنے نظریات بدل چکی ہیں۔[19]

---

[19] 1۔ چین (پیپلز ریپبلک آف چائنہ)–1949ء سے 1978ء–1980ء کی دہائی تک (ڈینگ ژیاو پنگ کے تحت اقتصادی اصلاحات)۔

2۔ کیوبا–1959ء سے 2002ء (نظریاتی زور مارتی (خوسے مارتی) اور کاسٹروازم پر دیا گیا)۔

3۔ ویتنام (سوشلسٹ ریپبلک آف ویتنام) – 1976ء سے 1986ء تک (Đổi Mới اصلاحات)۔

4۔ لاوس (لاؤ پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک) – 1975ء سے 1986ء تک (نیو اکنامک میکانزم اصلاحات)۔

5۔ شمالی کوریا (ڈیموکریٹک پیپلز ریپبلک آف کوریا)–1948ء سے 1992ء (جوچے نظریہ سے بدل دیا گیا)۔

6۔ سوویت یونین (یو ایس ایس آر)–1922ء سے 1991ء تک (پیریسترویکا اور زوال)۔

7۔ مشرقی جرمنی (جرمن ڈیموکریٹک ریپبلک)–1949ء سے 1990ء تک (مغربی جرمنی کے ساتھ دوبارہ اتحاد)۔

8۔ پولینڈ (پیپلز ریپبلک آف پولینڈ)–1947ء سے 1989ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

9۔ چیکوسلوواکیہ (چیکوسلوواک سوشلسٹ ریپبلک) – 1948ء سے 1989ء تک (ویلویٹ انقلاب)۔

10۔ ہنگری (ہنگری کی عوامی جمہوریہ)–1949ء سے 1989ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

11۔ رومانیہ (سوشلسٹ ریپبلک آف رومانیہ)–1947ء سے 1989ء تک (چاؤشسکو کے زوال)۔

12۔ بلغاریہ (پیپلز ریپبلک آف بلغاریہ)–1946ء سے 1990ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

13۔ البانیا (پیپلز سوشلسٹ ریپبلک آف البانیا)–1946ء سے 1992ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

14۔ یوگوسلاویہ (سوشلسٹ فیڈرل ریپبلک آف یوگوسلاویہ)–1943ء سے 1992ء تک (آزاد ریاستوں میں تقسیم)۔

15۔ منگولیا (منگولین پیپلز ریپبلک)–1924ء سے 1990ء تک (جمہوری اصلاحات)۔

16۔ جنوبی یمن (پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک آف یمن)–1967ء سے 1990ء تک (شمالی یمن کے ساتھ اتحاد)۔

17۔ افغانستان (ڈیموکریٹک ریپبلک آف افغانستان)– 1978ء سے 1992ء تک (کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ)۔

18۔ انگولا (پیپلز ریپبلک آف انگولا)–1975ء سے 1991ء تک (کثیر جماعتی نظام اور اقتصادی اصلاحات)۔

19۔ موزمبیق (پیپلز ریپبلک آف موزمبیق) – 1975ء سے 1990ء تک (کثیر جماعتی جمہوریت)۔

20۔بینن (پیپلز ریپبلک آف بینن)–1975ء سے 1990ء تک (جمہوری اصلاحات)۔

21۔ کانگو-برازاویلے (پیپلز ریپبلک آف کانگو)–1969ء سے 1991ء تک (جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

22۔ ایتھوپیا (ڈیرگ حکومت، بعد میں پیپلز ڈیموکریٹک ریپبلک آف ایتھوپیا) – 1974ء سے 1991ء تک (ڈیرگ حکومت کا خاتمہ)۔

23۔ کمبوڈیا (ڈیموکریٹک کمپوچیا، خمیر روج کے تحت)–1975ء سے 1979ء تک (ویتنامی حملے کے بعد زوال اور پیپلز ریپبلک آف کمپوچیا کا قیام)۔

24۔ کمپوچیا (پیپلز ریپبلک آف کمپوچیا)–1979ء سے 1993ء تک (اقوام متحدہ کے زیر نگرانی امن معاہدوں کے بعد جمہوریت کی طرف منتقلی)۔

25۔ تانو توا (تووان پیپلز ریپبلک)– 1921ء سے 1944ء تک (سوویت یونین کے ذریعے سے الحاق)۔

26۔ بیرونی منگولیا (1924ء سے قبل منگولین پیپلز ریپبلک)–1921ء سے 1924ء تک (منگولین پیپلز ریپبلک کا پیش خیمہ)۔

27۔ صومالیہ (صومالی ڈیموکریٹک ریپبلک)–1969ء سے 1991ء تک (ناکام ریاست بننے کے بعد زوال)۔

دجال کا دنیا کا سفر

حدیث[20] میں دجال کے دنیا کے سفر کو ہوا سے اُڑائی گئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، جو اس کی تیز رفتاری اور عالمی اثرات کی علامت ہے۔ اسی طرح کمیونزم بھی دنیا کے ہر براعظم میں پھیلا، مگر آخر کار بارش کی طرح تھم کر ختم ہو گیا۔

دجال کی آزمائش سے بڑی کوئی آزمائش نہیں ہو گی

حدیث[21] میں دجال کی آزمائش کو سب سے بڑی آزمائش کہا گیا ہے۔ اپنے عروج کے وقت دنیا کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی کمیونسٹ حکومتوں کے زیر اثر تھی۔[22] یہ انسانی تاریخ میں مذہبی جبر اور آزادیوں کی خلاف ورزی کے وسیع ترین واقعات میں سے ایک تھا، جس نے اربوں افراد کو متاثر کیا۔

28۔ نکاراگوا (ساندنیستا حکومت کے تحت)–1979ء سے 1990ء تک (1990ء کے انتخابات میں امریکی حمایت یافتہ اپوزیشن سے شکست کے بعد اقتدار کا خاتمہ)۔

29۔ گرینیڈا (ماریس بشپ کی نیو جیول موومنٹ کے تحت)–1979ء سے 1983ء تک (داخلی تنازعات کے بعد امریکی فوجی مداخلت سے خاتمہ)۔

30۔ چلی (سالواڈور آلینڈے کے تحت پاپولر یونٹی)–1970ء سے 1973ء تک (اگسٹو پنوشے کی قیادت میں امریکی حمایت یافتہ فوجی بغاوت کے ذریعے سے حکومت کا خاتمہ)۔

20۔ Sahih Muslim 2937a:
https://sunnah.com/muslim:2937a

21۔ Sahih Muslim 2946a:
https://sunnah.com/muslim:2946a

22۔ Princeton University Press, The Rise and Fall of Communism, accessed at:
https://assets.press.princeton.edu/chapters/s11095.pdf

مسلمان دجال کی آزمائشوں سے بچنے کے لیے پہاڑوں میں پناہ لیں گے

احادیث[23] ایک ایسے وقت کا ذکر کرتی ہے جب مسلمان شدید فتنوں، بشمول دجال کے ظہور، کے دوران میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے پہاڑوں اور وادیوں جیسے دور دراز مقامات کی طرف ہجرت کریں گے۔ تاریخی طور پر، ایسے افراد جنھوں نے اپنے مذہبی عقائد کو محفوظ رکھنے کے لیے پناہ لی، ان میں اباکان کے پہاڑوں جیسے علاقوں کے لوگ شامل ہیں۔[24]

دجال سے حفاظت کے لیے سورۂ کہف کی تلاوت

احادیث[25] میں سورۂ کہف کی تلاوت کی خاص تاکید کی گئی ہے، جو دجال کے فتنے جیسے عظیم امتحانات کے دوران میں مومنوں کے ایمان، عزم اور بصیرت کو تقویت بخشتی ہے۔ یہ ہدایت اس واقعے سے مماثلت رکھتی ہے جو "اصحابِ کہف" کے بارے میں بیان ہوا—جنھوں نے مذہبی جبر اور آزمائش کے دور میں حق پر قائم رہنے کے لیے ہجرت کی اور اللہ کی پناہ میں جابسے۔

[باقی]

23۔ Sahih Sahih Bukhari 19: https://sunnah.com/bukhari:19

Muslim 2945a: https://sunnah.com/muslim:2945a

24۔ https://en.wikipedia.org/wiki/Lykov_family

25۔ Sahih Muslim 809a: https://sunnah.com/muslim:809

محمد ذکوان ندوی

دورِ زوال کا ایک ہلاکت خیز ظاہرہ

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "الفاروق" (مطبوعہ: 1898ء) میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا، تاہم تنخواہیں، علی قدرِ مراتب، عموماً بیش قرار دی گئی تھیں۔ صوبے داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی، اور غنیمت کی تقسیم سے جو کچھ ملتا تھا، وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔" (264)

مزید تحریر فرماتے ہیں کہ "خلیفہ عمر نے اپنے دورِ خلافت میں عاملین سلطنت کی تنخواہیں، اُس وقت کے لحاظ سے فیاضانہ طور پر بڑھا کر رکھی تھیں۔ تنخواہ میں اِس اضافے کا مقصد تھا: عمال کو دیانت داری اور راست بازی پر قائم رکھنا۔" 264، 108-110، بحوالہ: الاستیعاب، ابن عبد البر)

یہ اسلام کے دورِ عروج کی ایک مثال تھی۔ دورِ زوال کے بیش تر مسلم اداروں کا حال یہ ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ادارے، اسکول، تحریک، مشن، مسجد، اکیڈمی اور خانقاہ، تقریباً ہر جگہ اُس کے مخلص کارکنوں کو ملک و ملت، دین و مذہب اور خدائی مشن جیسے مقدس فریب (pious fraud) کے ذریعے سے ہمیشہ مفلوک الحال (hand to mouth) رکھا جاتا ہے تاکہ وہ شخص کبھی نہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو، نہ اُس کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے لیے کچھ کرنے کا

موقع رہے، اور نہ اتنا وقت اور توانائی باقی رہے کہ اِن میں سے بہت سے افراد اپنے لیے ایک آزاد اور باعزت زندگی حاصل کر سکیں۔

اِس قسم کے بیش تر اداروں کا حال یہ ہے کہ عملاً وہ اُس سنگین ترین مجرمانہ برائی، بے حسی اور بد دیانتی (dishonesty) کا شکار ہیں جسے قرآن میں 'تطفیف' (83) قرار دیا گیا ہے، یعنی دوسروں سے لیتے وقت پورا لینا اور دیتے وقت اُنھیں کم کر کے دینا۔ مثلاً اُن کا زیادہ وقت لینا اور اُنھیں کم معاوضہ دینا یا کام کا وقت بڑھا دینا اور اِس بڑھے ہوئے کام کا معاوضہ نہ دینا، وغیرہ۔

اِس مجرمانہ بے حسی اور 'تطفیف' کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ مثلاً یہ کہ اپنے کارکنوں کا زیادہ وقت اور توانائی استعمال کرتے ہوئے اُس کی دیانت دارانہ تلافی کے بجائے دین و مذہب اور خدائی مشن جیسے فرضی حوالے دے کر اُن سے کام لیا جائے، لیکن جب اِسی کارکن کو دینے کا موقع آئے تو اُس وقت خود ساختہ پالیسی اور مذہبی و قانونی اصولوں کا حوالہ دے کر اُس کے ساتھ کسی ادنیٰ رعایت، وسعتِ ظرفی، حتیٰ کہ عام انسانیت تک کا مظاہرہ کیے بغیر اُسے اپنی اِس پالیسی کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جائے۔

مثلاً ادارے میں ایک کارکن کا وقت اگر صبح 6 تا شام 6 بجے ہے تو اُسے نظم واصول، دین و مذہب اور خدائی مشن کے نام پر بار بار مزید روک کر کسی تلافی کے بغیر اُس سے زیادہ وقت لیا جائے، تاہم اُسی شخص سے اگر اِس کے سبب اگلے دن تاخیر ہو جائے تو اصول کے نام پر نہ صرف اُس کا معاوضہ کاٹ لیا جائے، بلکہ دین و مذہب اور خدائی مشن جیسے حربوں کے ذریعے سے اُس کو سخت کارروائی اور وارننگ کا سامنا کرنا پڑے۔ اِس قسم کی روش عقل و فطرت، دین وانسانیت اور خود جدید پروفیشنل ازم کے بھی سخت خلاف ہے۔ ایسے ادارے اور اِس قسم کے افراد ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مشنری ذہن کے ایک مذہبی مسلمان سے اِس معاملے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ادارے کی طرف سے اِس غریب کو جھونپڑی بنا کر دی گئی، ایک حادثے میں اِس کا علاج کرایا گیا، پھر اُس سے بڑھا کر کام لینا اور اُس کی مزید تلافی نہ کرنا بے گار کس طرح ہو سکتا ہے؟

کیا ایک انسان کی ضرورت صرف اِسی قدر ہے کہ اُسے ایک عارضی اور ناکافی جھونپڑی بنا کر

دے دی جائے یا کسی بیماری اور حادثے کے وقت اُس کا علاج و معالجہ کرا دیا جائے؟ کیا ایک غریب اور محتاج شخص کی نسبت سے، ایک صاحبِ ثروت و حیثیت آدمی کا انسانی اور اخلاقی فریضہ بس یہیں تک محدود ہے، اِس سے آگے ہمارا اور کوئی فریضہ نہیں!

مزید یہ کہ ایک مذہبی اور صاحبِ ثروت شخص ہونے کے اعتبار سے، کم از کم ہمارا ایمانی اور انسانی فریضہ یہ تھا کہ اِس قسم کا اخلاقی سلوک صرف رضاے الٰہی کے لیے کیا جاتا، جبھی یہ کوئی مقبول دینی عمل ہو گا، ورنہ اِس طرح کے کسی عمل کی حیثیت صرف ایک ایسی ''تجارت'' کی ہو گی جو ہر گز نفع بخش (البقرہ 2:16) ثابت ہونے والی نہیں۔ مخلصانہ اور مقبول دینی عمل وہی ہے جو صرف اجرِ آخرت اور رضاے الٰہی کی نیت سے کیا جائے، نہ کہ کسی شخص سے بے گار لینے اور اُسے زر خرید غلام بنا لینے کے مقصد سے۔

اِس قسم کی صورتِ حال میں ایک شخص اپنی سعادت مندی کی بنا پر آپ کی خدمت تو کر سکتا ہے، مگر خود اِس شاطرانہ منصوبے کے تحت اُس کے ساتھ کوئی سلوک کرنا کہ آیندہ اِس اخلاقی دباؤ کی بنا پر اُس سے ہمیشہ بے گار لیا جاتا رہے، ہر گز کوئی دینی اور انسانی عمل نہیں ہو سکتا۔ نیز اِس قسم کی ہوشیاری اور فریب کے ذریعے سے ہر گز کبھی کوئی ذاتی اور اجتماعی خیر بر آمد ہونے والا نہیں۔

اِسی طرح یوپی کے ایک شہر میں ایک صاحبِ حیثیت مذہبی آدمی نے بتایا کہ آج کل ایک مہلک عارضے کی بنا پر ہر ماہ وہ پچاس ہزار کا انجکشن لے رہے ہیں۔ تاہم شب و روز اُن کے ساتھ رہنے والا اُن کا ایک غریب کارکن بدستور بے گھر ہے۔ اگر لوجہ اللہ وہ اُس کی رہایش کا انتظام فرماتے تو یقیناً اُنھیں اللہ کی خصوصی نصرت ملتی اور وہ اِس مہلک آزمایش سے دوچار نہ ہوتے۔

اِسی طرح کرناٹک کے ایک صاحبِ حیثیت مذہبی آدمی نے ایک ساتھ اپنی بچی اور بچے، دونوں کی شادی کا پروگرام بنایا، جس کے بعد وہ بچوں کی شادی کے بوجھ سے آزاد ہو جاتے۔ تاہم اِسی دوران میں اُن کے ایک غریب کارکن کو علاج کے لیے کچھ پیسوں کی ضرورت پیش آئی تو اُسے یہ معمولی رقم بہ طور قرض اِس شرط پر دی گئی کہ وہ ہر ماہ اُس کی معمولی تنخواہ سے اِسے کاٹتے رہیں گے۔ اگر اِسے صدقہ کر دیا جاتا تو یقیناً اُنھیں اللہ کی خصوصی نصرت حاصل ہوتی اور وہ اِس آزمایش سے دوچار نہ ہوتے کہ اُن کا سارا پروگرام عین وقت پر سخت درہم برہم ہو جاتا، جس کی بنا پر وہ شدید ذہنی کرب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔

اِسی طرح ایک صاحبِ حیثیت مذہبی ادارے کا واقعہ ہے، اُن کے ہاں کام کرنے والی ایک بیوہ خاتون کے تین ہزار روپے ظلماً روک لیے گئے۔ اُس کے بعد ایک عدالتی کارروائی میں اُنھیں تیس لاکھ روپے صرف کرنے پڑے۔ چھوٹے، مگر مخلصانہ صدقات آدمی کو بڑی آزمایش سے محفوظ رکھتے ہیں، مگر افسوس کہ اِنھیں نظرانداز کرکے آدمی بطورِ خود اپنے آپ کو تباہ کن مصیبتوں میں گرفتار کرلیتا ہے۔

مذکورہ قسم کے متعدد واقعات ہمارے درمیان بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحبِ ثروت اور مذہبی و مشنری شخص کا واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک غریب عورت کی رہایش کے لیے ایک کمرے کی تعمیر کا انتظام کر دیا، پھر بلا معاوضہ وہ اُس غریب سے اپنے گھر کا کام لیتے رہے۔ شاید اِس لیے کہ انھوں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا، اب اُنھیں صرف ایک غریب سے اپنا حق وصول کرنا باقی تھا۔

اِس طرح کے واقعات کی حقیقی نوعیت کا علم صرف اللہ رب العلمین کو ہے، مگر اِس دنیا میں خود اللہ ہی کے فیصلے کے تحت 'مکافاتِ عمل' کا ایک ابدی قانون جاری ہے اور کوئی بھی شخص اُس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہر چھوٹے اور بڑے شخص کو چاہیے کہ وہ اِس معاملے میں بے حد محتاط رہے۔ یہ مکافاتِ عمل وہی چیز ہے جسے سادہ لفظوں میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے — جو کچھ تم بوؤ گے، وہی کاٹو گے:

Whatever you sow, you shall reap.

دوسرے الفاظ میں، اِسی بات کو درج ذیل اسلوب میں بیان کیا گیا ہے:

What goes around, comes around.

ایک فارسی شاعر نے اِس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید، جوز جو!

اِسی حقیقت کو ایک اردو شاعر نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

ازل سے ہے مکافاتِ عمل کا سلسلہ قائم

رُلایا جس نے اوروں کو، کبھی وہ خود بھی روئے گا!

مذکورہ قسم کے واقعات ذاتی طور پر راقم کو معلوم ہیں۔ یہ سب اِسی مکافاتِ عمل کے واقعات ہیں۔ کیسے عجیب ہوں گے وہ لوگ جو صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود اِس طرح کا سطحی معاملہ کریں۔ ایسے لوگ کبھی خدا کی رحمتوں کے سزاوار نہیں ہو سکتے۔ ایسے بے رحم افراد اور ادارے اپنے تمام بڑے بڑے دعووں اور اپنے تمام پرکشش پروگراموں کے باوجود ہمیشہ حقیقی برکات سے محروم رہیں گے۔

دردِ ملت کا ماتم، مقدس مذہبی مراسم اور چلت پھرت کی کثرت، آن لائن و آف لائن جاری سرگرمیاں، جلسہ و دروس، سیمیناروں کے ہنگامے، اجتماعات کی دھوم، سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور اِس کے ذریعے سے ملنے والی خطیر رقم، دعوتی اور مذہبی پروجیکٹس، تقریر کا شور، تحریر کا سحر، کتابوں کا دفتر، مذہبی جرائد و مطبوعات کا پشتارہ اور لٹریچر کا نہ ختم ہونے والا سیلاب اُنھیں ہرگز خدا کی پکڑ سے بچانے والا نہیں۔

یہی وہ انتہائی سنگین صورتِ حال ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک قولِ رسول میں بتایا گیا تھا: ’...وإن صام وصلی وزعم أنه مسلم‘ (صحیح ابن حبان، رقم 257)، یعنی اصل ایمانی اور اخلاقی تقاضوں کو پورا کیے بغیر کوئی شخص صرف اپنے ظاہر دارانہ مذہبی مراسم اور اپنے دعویٰ و مزعومات کی بنا پر نہ خدا کے نزدیک سچا مومن و مسلم ہو گا، اور نہ مذکورہ قسم کی دوہری سرگرمیاں اور اُس کے یہ بے روح اعمال کسی ایسے دینی عمل کا درجہ پا سکتے ہیں جو اُسے خدا کی رضا اور رحمت و نصرت کا مستحق قرار دے سکیں۔

مذکورہ ارشادِ رسول (وإن صام وصلی) میں ’صوم‘ و ’صلوٰۃ‘ کے الفاظ علامتی ہیں، یعنی روزہ و نماز جیسے خالص دینی مراسم اور مذہب کے نام پر کیے جانے والے اعمال اور سرگرمیاں۔ اگر یہ ’اعمال‘ اصل ایمانی روح سے عاری اور اخلاقی تقاضوں سے خالی ہوں تو اِن سرگرمیوں کی دھوم اُسے ہرگز وہ مطلوب دینی عمل بنانے والی نہیں جس پر رضا و اجر اور نصرتِ الٰہی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اِس کے برعکس، اگر یہ ’اعمال‘ اصل ایمانی روح اور اخلاقی تقاضوں کے ساتھ انجام دیے جائیں تو یہی وہ ’صدقہ‘ ’الصدقة تطفئ غضب الرب‘. (ترمذی، رقم 664) ہے جو آدمی کو خدا کے غضب سے بچاتا اور یہی وہ موکد دینی عمل ہے جو آدمی کو برے انجام سے محفوظ رکھنے والا ہے: ’علیکم باصطناع المعروف، فإنه یمنع مصارع السوء‘ (صحیح الجامع، رقم 4052)۔

مذکورہ مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کو زوال یافتہ ذہن کہا جاتا ہے اور وہ کس طرح ہماری انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود میں رکاٹ بنی ہوئی ہے۔

مصائب اور آزمایش کے تجربات اِس لیے پیش آتے ہیں کہ آدمی اُس پر مجبورانہ ماتم کرنے کے بجائے اُس پر غور کرے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کا محاسبہ اور اپنا احتساب کرے (الانعام 6:42-44۔ التوبہ 9:126)، مگر افسوس کہ انسان غفلت و اعراض کی تمام سنتیں تازہ کرتا اور خدا کے اِن نشان ہاے عبرت سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتا ہے، بغیر اِس کے کہ وہ اُس سے نصیحت لیتے ہوئے اپنی زندگی کے نقشے کو بدلے۔ کوئی ہے جو سوچے، کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے: 'إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد'۔

ڈاکٹر عمار خان ناصر / ڈاکٹر سید مطیع الرحمٰن

مطالعۂ سنن ابن ماجہ

(سنن ابن ماجہ کی احادیث سے متعلق استفسارات اور ان کا جواب)

(6)

مطیع سید: نظر کے باب میں روایت ہے کہ سہل بن حنیف نہا رہے تھے۔ عامر بن ربیع نے انھیں دیکھا تو کہا کہ ایسا خوب صورت جسم تو میں نے کسی عورت کا بھی نہیں دیکھا۔ ان کے یوں کہنے سے سہل بن حنیف درد سے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ان کو اس حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بڑی پریشانی میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کر ڈالتا ہے! پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دیکھے تو برکت کی دعا کیا کرے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور عامر بن ربیع کو وضو کرنے کا حکم دیا اور پھر وہ پانی سہل پر ڈالنے کا حکم دیا۔[1]

آج تو ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ کسی کو یہ کہیں کہ فلاں کو تمھاری نظر لگ گئی ہے، تم وضو کر کے پانی ہمیں دو۔ اس سے لڑائی جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1]۔ کتاب الطب، باب العین، رقم 3509۔

عمار ناصر: آج ہم اس لیے نہیں کر سکتے کہ لوگ ان چیزوں کو مانتے نہیں ہیں۔ لوگوں کا تاثر یا خیال اس کے بارے میں بدل گیا ہے، لیکن اگر کرنا چاہیں تو آج بھی کر سکتے ہیں۔ ٹوٹکے تو ہمارے ہاں بھی چلتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں اس سے ذرا مختلف ٹوٹکے ہیں۔ مثلاً خواتین مرچیں جلا کر جس کو نظر لگی ہو، اس پر وارتی ہیں یا اس طرح کے دیگر ٹوٹکے آزماتی ہیں۔ تو یہ تو حقیقت ہے کہ نظر سے کچھ بری تاثیر منتقل ہوتی ہیں اور اس کو اتارنے کے لیے ٹوٹکے آزمائے جا سکتے ہیں۔ یہ بات تو حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

مطیع سید: ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں اسم اعظم ہے، اس کے ساتھ جو دعا کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔[2] یہ اسم اعظم کیا چیز ہے؟ اگر یہ اللہ ہی کا نام ہے تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم کیوں رکھا ہے؟ واضح کیوں نہیں فرما دیا؟

عمار ناصر: نہیں، اس میں چھپانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر تمام روایات کو دیکھیں تو یہی ملتا ہے کہ یہ اللہ کی الوہیت کا اور اس کی عظمت کا ذکر ہے۔ لفظ 'اسم' عربی میں نام سے زیادہ صفات پر دلالت کرنے والے کلمات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور وہ مختلف ہیں۔ وہ کوئی منتر قسم کی چیز نہیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جس کلمے میں اللہ کی عظمت کا ذکر ہے، اس کے الٰہ ہونے کا ذکر ہے، توحید کا ذکر ہے، وہ اسم اعظم ہے۔ سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات میں 'اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'[3] کا کلمہ اس کا واضح مصداق ہے۔ اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں 'اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی'[4] اور 'وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ'[5] کے کلمات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

مطیع سید: تین لوگوں کی دعا قبول ہوتی ہے: مظلوم کی، اپنی اولاد کے لیے والدین کی اور مسافر

---

[2] ۔ کتاب الدعاء، باب اسم الاعظم، رقم 3856۔

[3] ۔ 2:3۔

[4] ۔ 8:20۔

[5] ۔ 111:20۔

کی۔[6] پہلے دو کی دعا کی قبولیت تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن مسافر کی دعا کی قبولیت کس حوالے سے ہے؟ وہ تو اپنے کام کے لیے نکلا ہوتا ہے۔ مثلاً میں اپنے کاروبار کے لیے جا رہا ہوں تو اس میں دعا کی قبولیت کی کیا خاص وجہ ہے؟

عمار ناصر: اگر آپ معاش کے لیے سفر کر رہے ہیں تو شریعت کی نظر میں یہ آپ کی دنیاوی سرگرمی نہیں ہے۔ اس حدیث میں عمومی معنی بھی یہی مراد ہے کہ وہ شخص جو معاش کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلا ہوا ہے اور اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کے لیے دھکے کھا رہا ہے، تو اس پہلو سے وہ بڑی نیکی کی سرگرمی میں مصروف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کے لیے سفر کر رہا ہے تو وہ اس میں شامل نہیں ہے، لیکن اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے اور کسب حلال کے لیے سفر کی مشقت اٹھانے والا تو اللہ کی نظر میں بہت پسندیدہ آدمی ہے۔

مطیع سید: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب ایک پرندے کے پَر پر ہوتا ہے، جب تک کہ اس کی تعبیر نہ کی جائے۔[7] اس سے کیا مراد ہے؟

عمار ناصر: مراد یہ ہے کہ خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ اس میں ایک ابہام ہوتا ہے، اس لیے اگر خواب کی تعبیر اچھی کی جائے تو اس کا اس پر اثر پڑتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر آدمی کو خواب نہ بتاؤ اور خاص طور پر ایسے آدمی کو نہ بتاؤ جس کے بارے میں پتا ہو کہ یہ الٹا مطلب ہی نکالے گا یا یہ منفی ذہنیت کا آدمی ہے۔ کسی ایسے آدمی کو بتاؤ جو سمجھ دار ہو اور وہ خوب غور وفکر کر کے خواب کی تعبیر کرے، کیونکہ جب تعبیر ہو جائے گی تو پھر خواب کی تعبیر کا اس کے مطابق ظاہر ہونے کا گمان زیادہ ہے۔ اس میں بھی فال والا اصول کارفرما ہے کہ جس طرح بندہ اچھا گمان رکھے اور اچھا شگون لے تو اسی کے مطابق معاملہ ہو جاتا ہے، اسی طرح خواب کی بھی اچھی تعبیر کی جائے اور اللہ سے اچھی توقع رکھی جائے تو اس کے مطابق پھر اللہ تعالیٰ معاملہ کرتے ہیں۔

مطیع سید: لیکن مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا اور نجومیوں نے کہہ دیا کہ یہ تو پریشان خیالی

[6]۔ کتاب الدعا، باب دعوۃ الوالد ودعوۃ المظلوم، رقم 3862۔

[7]۔ کتاب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا اذا عبرت وقعت فلایقصھا الا علی وادٍ، رقم 3914۔

ہے، لیکن ان کی اس بات کا تو اس خواب کی تعبیر پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

عمار ناصر: دراصل نجومیوں نے کوئی تعبیر نہیں بتائی، کیونکہ انھیں تعبیر سمجھ میں ہی نہیں آئی، تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ پریشان خیالی ہے، ورنہ اگر خواب کو دیکھا جائے تو اس کے اندر ایک منفی پیغام واضح ہے کہ گائیں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں۔ اس میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ کوئی بہت بڑی مصیبت آ رہی ہے، آپ کا ملک تباہ ہو جائے گا اور یہ تعبیر سن کر بادشاہ کا بھی اس پر یقین بن جاتا۔ یوسف علیہ السلام نے اس خواب کو صحیح طریقے سے سمجھا اور اس کی درست تعبیر بتائی کہ اس میں ایک آزمایش کی بھی اطلاع ہے، لیکن اس کے ممکنہ حل کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

مطیع سید: ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا کہ جب قتل و غارت کا بازار گرم ہو تو تم اس سے الگ رہنا اور اپنے گھر میں بیٹھے رہنا۔ ابوذر نے عرض کی کہ اگر فسادی میرے گھر میں گھس آئیں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھ کو قاتل کی تلوار کی چمک کا ڈر ہو تو اپنی چادر کا کونہ اپنے منہ پر ڈال لینا، (اور دفاع میں بھی اس کو قتل کرنے کی کوشش نہ کرنا)۔ قتل کرنے والا اپنا اور تیرا، دونوں کا گناہ سمیٹ لے گا اور دوزخی ہو گا۔[8]

پہلا سوال یہ ہے کہ اس روایت میں آپ ابوذر کو اپنے دفاع سے بھی کیوں منع کر رہے ہیں؟ دوسرا یہ کہ حضرت ابوذر کے ساتھ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو یہ بتا رہے ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ویسا معاملہ پیش آ جاتا ہے۔

عمار ناصر: یہ بات صحیح ہے کہ اکثر ایسا ہی ہوا ہے کہ جو حالت آپ نے بیان فرمائی، وہ صحابی کو پیش آ گئی، لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ جو حالات کی تبدیلی ہوئی، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک تو حضرت ابوذر زندہ تھے۔ ابھی مسلمانوں کا باہمی قتال شروع نہیں ہوا تھا، لیکن حالات اسی طرف جا رہے تھے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی عام اور معمول کی حالت نہیں ہے، جو حدیث میں بیان کی جا رہی ہے کہ کوئی آدمی آپ پر حملہ کرے اور آپ اپنا دفاع نہ کریں۔ احادیث میں تو بتایا گیا ہے کہ اپنی جان اور مال کو بچاتے ہوئے جان دے دینا شہادت ہے۔ یہاں پر اس فتنے کی صورت حال

[8] کتاب الفتن، باب التثبت فی الفتنۃ، رقم: 3958۔

بیان کی جا رہی ہے جب مسلمان آپس میں بر سر پیکار ہوں گے اور صورت حال ایسی ہو گی کہ حتمی طور پر فیصلہ کرنا کہ یہ فریق بالکل ٹھیک ہے اور وہ فریق بالکل غلط ہے، یہ ممکن نہیں ہو گا۔ اس صورت حال سے متعلق یہ ہدایت دی گئی ہے، کیونکہ آپ نے کسی مسلمان کی جان لینی ہے تو آپ کے پاس بالکل واضح برہان ہونی چاہیے، جس کی بنیاد پر کل قیامت کو آپ اللہ کے سامنے جواب دے سکیں۔ فتنے کی حالت میں جب وہ چیز نہیں ہے اور لوگ اندھا دھند ایک دوسرے کو مار رہے ہیں تو اس مشتبہ صورت حال میں عزیمت کا مقام یہ ہو گا کہ آدمی اپنے دفاع میں بھی کسی کی جان لینے کے حق سے دست بردار ہو جائے اور اپنی جان دے دینے کو ترجیح دے۔ تو یہ حکم اس خاص صورت حال میں آپ علیہ السلام نے دیا تھا اور یہ عزیمت کا درجہ تھا، دفاع کے حق کی اصولی نفی اس میں نہیں کی گئی۔

مطیع سید: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے اللہ کی راہ میں سوار رہتا ہے، جب دشمن کی آواز آتی ہے تو اس طرف جاتا ہے اور موت اور قتل کے درمیان مواقع ڈھونڈ تا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جو اپنی چند بکریوں کے ساتھ کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے اور کسی وادی میں عبادت کرتا ہے اور وہیں پر اسے موت آجاتی ہے۔[9] یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ یک وقت دو مختلف انداز کی زندگی کو پسند فرما رہے ہیں۔

عمار ناصر: یہاں دیکھنا یہ ہے کہ یہ جو دو طرز زندگی ہیں، ان کا تقابل کس سے ہے؟ ان کا تقابل عام متمدن زندگی سے ہے۔ آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ آنے والے سالوں میں جو متمدن زندگی ہو گی، اس میں مسلمان یا تو قتل و قتال اور آپس کے جھگڑوں میں مصروف ہوں گے یا مال و دولت اور دنیوی آسایشیں اتنی آجائیں گی کہ متمدن زندگی حسد کی، ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کی یا آپس کے لڑائی جھگڑوں کی زندگی بن جائے گی۔ اس تناظر میں فرمایا کہ ان سارے فتنوں سے بچنے کے لیے ان دونوں میں سے کوئی بھی راہ اختیار کر لینا، یہ بہترین زندگی ہے۔ یا تو آدمی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے محاذ پر چلا جائے، یہ بھی معمول کی زندگی سے الگ تھلگ ہونا ہے یا پھر دنیا سے بے رغبت ہو جائے اور پہاڑوں اور وادیوں میں الگ تھلگ اور فتنوں اور مفاسد سے دور رہتے

9۔ کتاب الفتن، باب العزلة، رقم 3977۔

ہوئے زندگی کی مہلت پوری کر لے۔

مطیع سید: مشہور روایت ہے کہ اکہتر فرقے یہود کے ہوئے اور بہتر فرقے نصاریٰ کے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے اور ان میں سے ایک جنتی ہو گا۔ اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'الجماعۃ'۔[10] 'الجماعۃ' سے کیا مراد ہے؟ اور مختلف فرقوں میں سے کون سا فرقہ ہے جو اس کا مصداق ہے؟ ہمارے ہاں تو ہر گروہ یا فرقہ اپنے آپ کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے۔ اس حدیث کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

عمار ناصر: اس حدیث میں آپ علیہ السلام یہ بتا رہے ہیں کہ میرے بعد میری امت میں جو افتراق پیدا ہو گا، اس میں نجات پر وہی ہوں گے جو 'الجماعۃ' کے تحت ہوں گے۔ اس میں پھر دونوں پہلو ہیں۔ سیاسی طور پر انتشار پیدا ہو اور اس میں مختلف گروہ بن جائیں تو اس میں 'الجماعۃ' کا مصداق وہ سواد اعظم ہو گا جس پر مسلمان مجتمع ہوں۔ اس کے ساتھ وابستہ رہنا اور اس کے خلاف قتل و قتال کا طریقہ اختیار نہ کرنا، یہ صحیح اور نجات کا راستہ ہے۔ اور جہاں پر دینی معاملات اور تعبیرات میں اختلاف واقع ہو تو اس میں 'ما أنا علیہ وأصحابي' کا معیار بتایا گیا ہے، یعنی جس پر میرے معتمد صحابہ قائم ہوں۔ مختلف مواقع پر آپ علیہ السلام نے ان کے نام بھی واضح کیے ہیں، جن میں خلفا کا ذکر ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور دیگر جو فقہا صحابہ تھے، ان کا ذکر ہے کہ ان سے دین سیکھنا۔ گویا دین کے فہم میں درست راستے کا معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد اصحاب ہیں اور سیاسی انتشار کے وقت ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے لوگ نہیں، بلکہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی اجتماعیت کے ساتھ وابستہ ہوں، وہ نجات کے راستے پر چلنے والے ہیں۔

اس حوالے سے یہ نکتہ بھی ہمارے سامنے ہونا چاہیے کہ قرآن اور احادیث میں دوزخ میں جانے سے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں، وہ بنیادی طور پر لازمی نتیجے کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہیں کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ ضرور دوزخ میں جائے گا، بلکہ ان میں دراصل کسی عمل کی شناعت کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس راستے پر چلے گا تو اللہ کی نظر میں عذاب کا مستحق ہے۔ ہاں، عملاً اس کے انجام کا فیصلہ کیسے ہو گا، اس میں پھر کئی اور پہلو بھی ملحوظ

---

[10] ۔ کتاب الفتن، باب الافتراق الامم، رقم 3992۔

رکھے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص اس راستے پر چل رہا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کے حالات کیا ہیں اور ماحول میں کس قسم کا انتشار ہے، جس کی وجہ سے وہ اس راستے پر چلا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حسن نیت سے ہی کر رہا ہو، تو لوگوں کے اعذار بھی اپنی جگہ ملحوظ ہوں گے۔

مطیع سید: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ اپنے بعد آنے والے حالات کے تناظر میں فرما رہے ہیں؟ ہم اس کو آج کی صورت حال پر کیسے منطبق کریں گے؟

عمار ناصر: میں اس کو اس طرح دیکھتا ہوں کہ حدیث کا مدعا یہ بتانا نہیں کہ کوئی ایک متعین اور خاص گروہ ہو گا جو سو فی صد اس کا مصداق ہو گا، اور اس کے علاوہ باقی گروہوں کا راہ نجات سے کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔ اصل معیار 'ما أنا علیه وأصحابي' ہے اور مختلف فرقوں میں سے جو اس معیار کے زیادہ قریب ہو گا، وہ نجات کا زیادہ حق دار ہو گا۔ اب تو انتشار بہت پھیل گیا ہے اور کسی ایک خاص گروہ کو متعین کر کے اس کا مصداق قرار دینا بہت مشکل ہے۔ اس لیے متکلمین نے کہا ہے کہ راستہ اور علامات بتا دی گئی ہیں، اب جتنے بھی گروہ ہیں، ان میں دیکھا جائے گا کہ کون کس حد تک اس راستے پر ہے۔ لازم نہیں کہ کوئی ایک متعین گروہ ہو جو سو فی صد اس نجات یافتہ گروہ کا مصداق ہو۔ دعویٰ تو سب کرتے ہیں اس راستے پر چلنے کا، لیکن ممکن ہے کہ کچھ چیزوں میں ایک گروہ اس کے قریب تر ہو اور کچھ اور چیزوں میں کوئی دوسرا گروہ اس کے قریب تر ہو۔ طالب حق کے لیے طریقہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ 'ما أنا علیه وأصحابي' کیا تھا اور موجود گروہوں میں سے کون اس کے زیادہ قریب ہے، نہ یہ کہ کسی ایک خاص گروہ کو فرقہ ناجیہ سمجھ کر اس میں شامل ہو جائے اور باقی گروہوں کو جہنمی سمجھنے لگے۔

مطیع سید: حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ صدقہ دیا کرو اور استغفار زیادہ کیا کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں عورتوں کی کثرت دیکھی ہے۔ ایک عورت بولی: ہم جہنم میں زیادہ کیوں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں 'ناقصات العقل والدین' بھی کہا۔ اس عورت نے جرأت کر کے پوچھ لیا کہ ہماری عقل اور دین میں کیا نقص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل کا نقص یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور دین کا

نقص ایام مخصوصہ میں نماز ادا نہ کر سکنا بتایا۔[11]

آپ سے ایک مرتبہ اس روایت پر بات ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ احناف نے ایک خاص تناظر میں کہی گئی بات کو وسیع کر دیا ہے اور اس کو عمومی اصول بنا لیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہو گی۔

عمار ناصر: وہ بات یہ تھی کہ قرآن مجید میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا ذکر تحریری شہادت کے حوالے سے ہوا ہے، اس میں گواہی کا کوئی ایسا نصاب، جس کی عدالت نے پابندی کرنی ہے، وہ نہیں بیان ہوا۔ اس بات کو احناف نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ عدالت نے بھی اس اصول کی پابندی کرنی ہے، جب کہ جمہور فقہا کہتے ہیں کہ اس آیت میں عدالت کے لیے نصاب بیان نہیں ہوا۔ وہ اس بنیاد پر یہ بات کہتے ہیں کہ حدیثوں میں اور بھی طریقے بیان ہوئے ہیں، جیسے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تو دو گواہوں کے بغیر فیصلہ کرنا آیت کے خلاف نہیں ہے، لیکن آیت میں ایک مرد کے برابر دو عورتوں کی گواہی کا جو ذکر ہوا ہے، اس کو جمہور فقہا بھی تعمیم میں لے جاتے ہیں۔ تو ایک پہلو سے جمہور آیت کا محل ٹھیک متعین کرتے ہیں، لیکن جب اس کا اطلاق کرتے ہیں تو اس کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھتے۔

پھر اس بات میں بھی احناف اور جمہور فقہا کا اختلاف ہے کہ عورت کی گواہی کہاں لی جائے گی اور کہاں نہیں لی جائے گی۔ اس میں احناف زیادہ وسعت سے کام لیتے ہیں، جب کہ باقی فقہا کہتے ہیں کہ نکاح اور طلاق وغیرہ میں تو عورت کی گواہی قابل قبول ہی نہیں، صرف مالی معاملات میں عورت کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس پر جمہور فقہا کا اتفاق ہے کہ عورتوں کی گواہی جہاں بھی لے جائے گی، بعض استثنائی معاملات کے علاوہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہو گی۔ اس پہلو کو فقہا نے ملحوظ نہیں رکھا کہ اس آیت میں جو دو عورتوں کو گواہ بنانے کا کہا گیا ہے تو اس کے پیچھے بنیادی حکمت کیا ہے۔ یہ ہدایت عورت کی اہلیت یا صلاحیت کے نقص کی وجہ سے نہیں دی گئی، بلکہ اجنبی اور غیر مانوس ماحول میں اسے سہارا فراہم کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

مطیع سید: لیکن حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی انداز میں عورتوں کو 'ناقصات

[11]۔ کتاب الفتن، باب فتنة النساء، رقم 4003۔

العقل' فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ناقص العقل ہونا ایک عمومی اصول کے طور پر ہے اور ہر معاملے میں ان کی گواہی اسی اصول کے مطابق شمار ہو گی۔

عمار ناصر: حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کوئی فقہی یا قانونی ضابطہ بیان کرنا نہیں ہے۔ اصل میں آپ خواتین پر یہ واضح فرمانا چاہ رہے ہیں کہ تمھیں دنیا کے معاملات اور معاشرتی امور کا اتنا تجربہ نہیں ہے اور تمھیں گواہی بھی دینی پڑے تو تم دو عورتیں مل کر پیش ہوتی ہو، لیکن اس کے باوجود تم مردوں کو فتنے اور آزمایش میں مبتلا کرنے کی صلاحیت سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔ یہ اس تناظر میں کہی گئی بات ہے۔

مطیع سید: حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے دابۃ الارض نکلے گا اور اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا۔ عصا سے مسلمان کا چہرہ روشن ہو جائے گا اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر نشان لگ جائے گا اور وہ جانور بتائے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔[12]

سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یوم الدین رکھا ہوا ہے اور وہاں پر فیصلہ ہو گا، جب کہ دنیا دارالامتحان ہے، دارالجزاء نہیں تو یہاں پر فیصلہ کرنے کے لیے اس جانور کو نمودار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

عمار ناصر: اللہ تعالیٰ کی جو تکوینی اسکیم صحائف کے بیانات سے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک انبیا کا سلسلہ جاری تھا تو ان قوموں کے لیے خوارق عادت جیسی چیزوں کا ظہور بھی جاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو آخری نبی حضرت مسیح آئے، ان پر تو خوارق عادت کی انتہا ہو گئی۔ پوری شخصیت ہی خرق عادت کا مظہر تھی۔ پھر جب آخری نبی آئے تو ان کے ساتھ یہ سلسلہ ایک طرح سے اختتام کو پہنچ گیا۔ ان کو بھی دلیل کے طور پر جو بڑا اور نمایاں معجزہ دیا گیا، وہ قرآن ہے۔ باقی ایسی نشانیاں ہیں جو ان کے براہ راست دیکھنے والوں کے لیے ایمان میں اضافے اور تقویت کا ذریعہ تھیں۔ نبوت ختم ہونے کے ساتھ خوارق عادت کا وہ سلسلہ جو پہلے لوگوں پر حجت قائم کیا کرتا تھا، وہ نہیں رہا۔ پھر جیسے جیسے زمانۂ نبوت دور ہوتا گیا تو ان نشانیوں کی قوت اور

---

[12] ۔ کتاب الفتن، باب دابۃ الارض، رقم 4066۔

تاثیر بھی لوگوں کے ذہنوں پر کم ہوتی چلی گئی۔ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا جائے گا، لوگوں کا ایمان سے دور اور کفر کی طرف مائل ہونا، یہ بھی بڑھتا جائے گا۔ جب یہ بڑھتا جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس دارالامتحان کی بساط کو مقررہ وقت پر جا کر لپیٹ دینا ہے، لیکن اس حتمی فیصلے سے پہلے اللہ تعالیٰ قربِ قیامت میں ایک بار پھر غیر معمولی نشانیاں ظاہر کرے گا۔ وہ نشانیاں گذشتہ انبیا کی نشانیوں سے بھی بڑی نشانیاں ہوں گی اور کائناتی سطح کی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ یہ اتمام حجت کے لیے کرے گا۔ چونکہ اس وقت ہر طرف کفر کا ہی غلبہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ بساط لپیٹنے سے پہلے انسانوں کو یہ نشانیاں دکھائے گا۔ بالکل آخر میں سورج الٹی طرف سے نکلنا شروع ہو جائے گا اور دابۃ الارض نکل آئے گا۔ اتنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانے کے بعد بھی جب لوگ بے حس رہیں گے اور حق کو قبول نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق حق بجانب ہوں گے کہ اب اس پورے نظام کو لپیٹ دیا جائے۔ یہ وہ پوری اسکیم ہے جو انبیا کی دی ہوئی خبروں سے سمجھ میں آتی ہے۔

مطیع سید: قرآن مجید کا بہت زیادہ ارتکاز آخرت پر ہے۔ ہر دوسرے صفحے پر آخرت کا ذکر ہے اور وہ انسانوں کو تیار ہی آخرت کے لیے کر رہا ہے، لیکن قربِ قیامت میں جو بڑی بڑی نشانیاں ہیں، ان کا ذکر قرآن مجید میں نہیں کیا گیا۔ صرف یاجوج وماجوج کا ذکر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

عمار ناصر: ظاہر ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنا تھا کہ کون سی بات کہاں ذکر کرنی ہے۔ بہ ظاہر یہ لگ رہا ہے کہ قرآن مجید کا براہ راست خطاب چونکہ اس وقت کے اہل عرب سے تھا اور ان کے اندر آخرت کے حوالے سے بے فکری تھی جو ساری برائیوں کی جڑ ہے، اس لیے قرآن کا مطمح نظر یہ ہے کہ یہ لوگ متوجہ ہوں اور ان میں اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس اور خوف پیدا ہو۔ یہ بالکل بے خوف ہوئے بیٹھے ہیں، ان کو پتا چلے کہ انھوں نے آگے جا کر جواب دینا ہے۔ آج بھی دیکھیں تو یہ الحاد وغیرہ پہلے جواب دہی کے احساس اور آخرت کے تصور پر ہی ضرب لگاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ایمان کی کوئی اہمیت رہ نہیں جاتی۔

مطیع سید: مجھے یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ مشرکین مکہ خدا کو مانتے تھے، لیکن آخرت کو نہیں مانتے تھے۔ ان کا بڑا مسئلہ آخرت ہے۔ میں نے ایک ہندو گرو کو ایک دفعہ سنا تو اس نے یہ فلسفہ بیان کیا، جس میں آخرت کے بغیر خدا کو مانا جاتا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ جو ہماری زمین ہے، کائنات کے اندر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اتنی بڑی کائنات کو جو خدا چلا رہا ہے، اس نے اگر

اس زمین کے لیے کوئی منصوبہ نہیں بھی بنایا تو کیا حرج ہے؟ وہ کہہ رہا تھا کہ یہی زندگی ہے اور اس زندگی کو بھرپور جی لیں، یہی سورگ ہے اور یہی نرگ ہے۔

عمار ناصر: ہم چونکہ ابراہیمی روایت میں کھڑے ہیں تو ابراہیمی روایت میں خدا کا تصور تب ہی بامعنی ہوتا ہے جب اس کے ساتھ رسالت اور آخرت کا تصور جڑا ہوا ہو، اس لیے ہمارے ہاں آخرت کے تصور کے بغیر خدا کا تصور ممکن نہیں ہے، لیکن دنیا کے دیگر مذاہب اور روحانی فلسفوں میں زیادہ تر ایسا ہی ہے کہ لوگ خدا کو مانتے ہیں، لیکن آخرت کا تصور نکال دیتے ہیں اور پھر اس پر کئی طرح کی فلسفیانہ بحثیں کی جاتی ہیں۔ فلسفہ تو ایک ایسی ظالم انسانی صلاحیت ہے جو ہر چیز کا ایک عقلی سانچہ بنا سکتی ہے۔

مطیع سید: صحابی کہتے ہیں کہ ہم ایک جھونپڑا بنا رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارا مکان پرانا ہو گیا ہے، ہم اس کو درست کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو دیکھتا ہوں کہ موت اس سے بھی جلد آنے والی ہے۔[13]

پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا اسلام کو تمدن سے کوئی دل چسپی نہیں؟ دوسرا یہ کہ کیا اہلِ مغرب یہ بات درست کہتے ہیں کہ ہم نے مذہب سے جان چھڑا کر ہی اتنی ترقی کی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کو ماننے والی کوئی قوم سپر پاور بھی ہو جائے تو وہ اس طرح ترقی نہیں کر سکتی، جس طرح یہ مغربی اقوام ترقی کر رہی ہیں؟

عمار ناصر: یہ بہت درست سوال ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے طرز زندگی سے دنیا کے متعلق جو پیغام دیتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام دیتے ہیں، وہ آپ کو ایک اور سمت میں لے جاتا ہے۔ اس میں آپ بہ ظاہر تمدن کو بھی ایک خاص سطح سے آگے اور تہذیب کو بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں لے جا سکتے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں یہ فرما رہے ہیں اور دوسری طرف آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے میری امت کے تصرف میں آئیں گے اور دولت کی

---

[13]۔ کتاب الزہد، باب فی البناء والخراب، رقم 4160۔

فراوانی کے ساتھ جو رویے پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی لازماً پیدا ہوں گے۔ ان متوقع رویوں سے متعلق خبر دار کرنے کے لیے آپ نے یہ اسلوب اختیار کیا، جس میں آپ لوگوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کر رہے ہیں کہ دنیا میں تو رہنا ہی ہے اور دنیوی زندگی گزارنے کے لیے جو اسباب اختیار کرنے ہیں، اور جو تگ و دو کرنی ہے، وہ تو کرنی ہی ہے، لیکن میں جس مقصد کے لیے دنیا میں آیا ہوں، وہ یہ نہیں ہے۔ میں تمھیں یہ بات یاد دلانے کے لیے آیا ہوں کہ انسان کی نجات اور کامیابی آخرت کے ساتھ ہے۔ اب امت کے لیے یہ آزمایش ہے کہ اس نے یہ توازن پیدا کرنا ہے کہ وہ ایک تہذیب بھی بنائے، دنیا میں طاقت و قوت بھی پیدا کرے، لیکن اس کے اندر یہ پیغام بھی زندہ رہے کہ ہم جو کچھ بھی بنا رہے ہیں، بہت اچھا ہے، خوب صورت ہے، دل کو لبھاتا ہے، لیکن اصل حقیقت یہی ہے کہ موت آنے والی ہے اور ہم نے اللہ کے سامنے پیش ہو جانا ہے۔ یہ احساس ختم نہ ہو اور تہذیب اس کو ایک اعلیٰ حقیقت کے طور پر مانتی رہے۔

مطیع سید: میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی، کم ہی لوگ ہوں گے جو ستر سے تجاوز کریں گے۔[14] اب تو بہت سے علاقوں میں سائنس کی بدولت بیماریوں پر قابو پا کر لوگوں نے اپنی اوسط عمریں بڑھا لی ہیں۔

عمار ناصر: اس میں ’امتی‘ کے لفظ پر ارتکاز ہے۔ اس سے مراد آپ کی قائم کردہ وہ امت ہے جس نے آپ کی نیابت کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کے لیے اسے دنیا میں سیادت اور اقتدار عطا کیا گیا۔ دیگر کئی قوموں میں تو اوسط عمر اس وقت بھی زیادہ رہی ہے اور اب بھی کئی قوموں میں بڑھ گئی ہے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ’امتی‘ کا لفظ استعمال کر رہے ہیں، اس سے مراد عرب کے لوگ ہیں، جو آپ پر ایمان لائے۔ ایک مخصوص سیاق میں یہ بات کہی جا رہی ہے۔

[باقی]

14۔ کتاب الزہد، باب الامل والاجل، رقم 4236۔

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(23)

[صاحب ''تدبر قرآن'' کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

مولانا امین احسن اصلاحی ابھی جیل ہی میں تھے کہ جسٹس منیر احمد اور جسٹس محمد رستم کیانی پر مشتمل ایک انکوائری کمیشن تشکیل دیا گیا۔ اس کمیشن نے جولائی 1953ء سے جنوری 1954ء تک تحقیق و تفتیش کی۔ ایک سو سترہ سماعتوں کے بعد 10/ اپریل 1954ء کو یہ رپورٹ منظر عام پر آئی۔ اسے عام طور پر منیر کمیشن رپورٹ یا منیر کیانی رپورٹ کہا جاتا ہے۔ پاکستان کے مذہبی تشخص کے پس منظر میں یہ رپورٹ بہت اہم ہے۔ اس رپورٹ میں مولانا امین احسن اصلاحی کا بھی ایک مفصل بیان شامل ہے۔ اس لیے ہم اس پر ایک اجمالی تبصرہ ناگزیر سمجھتے ہیں۔

رپورٹ میں اگرچہ حکومتی انتظامیہ کی ناکامی کے ساتھ ساتھ حکومتی جماعت مسلم لیگ سمیت مختلف لوگوں اور مذہبی جتھوں کو ان فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا، مگر مجلس احرار کو ان فسادات کا سب سے بڑا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس حوالے سے رپورٹ کے بعض ضروری حصے ملاحظہ فرمائیں:

مجلس احرار کا وجود اور مقصد

”مجلس احرار کا قیام ہی دراصل اس مقصد کے تحت ہوا تھا کہ وہ احمدیوں (قادیانیوں) کے مسئلے کو استعمال کرتے ہوئے عوام میں مذہبی جوش و جذبہ ابھارے اور اس بنیاد پر سیاسی مقاصد حاصل کیے جائیں۔“(جسٹس منیر رپورٹ، باب دوم—پس منظر)

یاد رہے کہ مجلس احرار کے تمام بانی ارکان آل انڈیا کانگرس کے رکن تھے اور وہ کانگرس سے علیحدہ ہو کر مجلس احرار کی شکل میں منظم ہوئے تھے اور تقسیم ہند تک مسلم لیگ، محمد علی جناح اور قیام پاکستان کے سخت مخالف رہے تھے۔

مذہبی جذبات کا استعمال

”احرار نے اس مسئلے کو ایک سیاسی تحریک کی صورت دے کر عوامی جذبات کو استعمال کیا اور حکومت کے خلاف ایک مذہبی بنیاد پر عوام کو مشتعل کیا۔“(حوالہ: رپورٹ کے خلاصے میں)

ریاستی رِٹ کو چیلنج

”یہ ثابت ہوتا ہے کہ مجلس احرار نے مذہبی مقاصد کے پردے میں ریاستی نظم و نسق کو چیلنج کیا اور عوامی اجتماع اور تقاریر کے ذریعے سے لوگوں کو حکومت کے خلاف ابھارا۔“

(حوالہ: رپورٹ میں احرار کی سرگرمیوں پر تبصرہ)

قیادت اور جماعت کی ذہنیت

”احرار کی قیادت جان بوجھ کر ایسا ماحول بناتی رہی جس سے عوام کی توجہ معاشرتی اور معاشی مسائل سے ہٹ کر صرف مذہبی جذبات پر مرکوز رہے۔“(حوالہ: رپورٹ میں سماجی تجزیہ)

نتیجہ

”احرار اور اسی نوع کی جماعتوں کی سرگرمیوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مذہب کو

سیاست سے الگ نہ رکھا جائے تو اس سے ریاستی ڈھانچے اور امن و امان کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔“(حوالہ: رپورٹ کا آخری باب)

رپورٹ کے اس حصے کی روشنی میں ہم اس بات کا آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ حالات کی صورت گری میں کن کن عوامل نے اہم کردار ادا کیا۔

مولانا اصلاحی کا بیان

ان فسادات کے دوران میں مجلس ختم نبوت نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ اس حوالے سے کمیشن نے مولانا اصلاحی سے احمدیوں کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کے بارے میں دریافت کیا۔ مولانا کے جوابات اور کمیشن کے سوالات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

سوال: مسلمان کون ہے؟

جواب: مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں: ایک سیاسی مسلمان دوسرے حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کہلانے کی غرض سے ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ توحید الٰہی پر ایمان رکھتا۔ ہمارے رسول پاک کو خاتم النبیین مانتا ہو، یعنی اپنی زندگی کے متعلق تمام معاملات میں ان کو آخری سند تسلیم کرتا ہو، ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو، قرآن مجید کو آخری الہام الٰہی ہونے کا یقین رکھتا ہو، مکہ معظمہ کا حج کرتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو، مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہو، اسلامی معاشرے کے ظاہر قواعد کی تعمیل کرتا ہو، روزہ رکھتا ہو۔ جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہو، وہ ایک اسلامی مملکت کے پورے شہری کے حقوق کا مستحق ہے۔ اگر وہ ان میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ کرے تو وہ سیاسی مسلمان نہ ہو گا۔

پھر کہا: اگر کوئی شخص ان دس امور پر ایمان کا محض اقرار کرتا ہو، گویا ان پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے، جب کہ حقیقی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر عین اس طرح ایمان رکھتا ہو اور عمل کرتا ہو، جس طرح وہ احکام و ہدایات اس پر عائد کیے گئے ہیں۔

سوال: کیا آپ یہ کہیں گے کہ صرف حقیقی مسلمان ہی مرد صالح ہے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: اگر ہم آپ کے ارشاد سے یہ سمجھیں کہ آپ کے نزدیک سیاسی مسلمان کہلانے کے لیے صرف عقیدہ کافی ہے اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے عقیدے کے علاوہ عمل بھی ضروری ہے تو کیا آپ کے نزدیک ہم نے آپ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھا ہے؟

جواب: جی نہیں۔ آپ میرا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھے۔ سیاسی مسلمان کے معاملے میں بھی عمل ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان عقائد کے مطابق عمل نہیں کرتا جو ایک سیاسی مسلمان کے لیے ضروری ہیں تو وہ سیاسی مسلمانوں کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔

سوال: اگر کوئی سیاسی مسلمان ان باتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو جن کو آپ نے ضروری بتایا ہے تو اپ اس شخص کو بے دین کہیں گے؟

جواب: جی نہیں۔ میں اسے محض بے عمل کہوں گا۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کا پس منظر

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا اصلاحی کی جماعت اسلامی میں شمولیت ایک حادثے کے طور پر ہوئی تھی۔ اس کی تفصیلات ان صفحات میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بات بھی ہم جان چکے ہیں کہ پاکستان کے قیام کے بعد جب مولانا مودودی نے عملی سیاست میں باقاعدہ فعال ہونے کا فیصلہ کیا تو اسے مولانا اصلاحی نے پسند نہیں کیا۔ مولانا کے مطابق وہ کسی سیاسی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک ایسی جماعت میں شامل ہوئے تھے جس کا کام معاشرے کی فکری اور علمی تطہیر تھا اور مسلم و غیر مسلم کو اسلام کی مکمل دعوت دینا تھا، مگر تقسیم ہند کے بعد وہ جماعت کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے پاکستان منتقل ہو گئے۔ یہاں آ کر مولانا مودودی اور جماعت کے ساتھ حکمتِ عملی کے اختلافات کے باوجود وہ جماعت کے نظم کے ساتھ پورے جوش و خروش سے چلتے رہے۔ جماعت اور مولانا مودودی پر ہونے والی تنقیدات کا ڈٹ کر جواب دیا۔ قید و بند کی مشکلات بھی جھیلیں اور انتخابات میں حصہ لینے کے انتہائی ناگوار فیصلے کی بھی پابندی کی، لیکن پھر ایسے کیا حالات پیدا ہوئے کہ انھیں جماعت سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ مولانا اس حوالے سے اپنے احباب اور شاگردوں سے اپنے موقف کا برملا اظہار کرتے۔ ان کی یہ گفتگو اس وقت ریکارڈ کا حصہ بن گئی

جب انھوں نے برادرم ڈاکٹر منصورالحمید کو ایک تفصیلی انٹرویو دیتے ہوئے اس واقعے کی مکمل تفصیلات بیان کیں:

”مولانا مودودی صاحب اور میرے درمیان ایک ذوق و فکر کا اختلاف شروع ہی سے رہا ہے، لیکن یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا کہ میں ان کے ساتھ تعاون نہ کر سکوں۔ جماعت کی مجلس شوریٰ میں میری رائے بہت موثر تھی۔ اس بنا پر میں، صحیح یا غلط، یہ محسوس کرتا تھا کہ میں جماعت کی پالیسی کو بحیثیت مجموعی کسی غلط راہ پر جانے سے روک سکتا ہوں۔ اس لیے اس ذوق و فکر کے اختلاف کے باوجود جماعت سے میرا جو تعلق قائم ہو گیا تھا میں نے اسے برقرار رکھنا چاہا۔

قیام پاکستان کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ مولانا مودودی صاحب میں کچھ ایسی تبدیلیاں ہو گئی ہیں جو بالآخر گم راہ کن نتائج تک منتہیٰ ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ جو جتھہ بندی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اب جلد سے جلد اس جتھہ بندی کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری چیز یہ تھی کہ ان کے بعض معتقدین نے انھیں یہ باور کرا دیا کہ اب اس ملک کے عوام مسلم لیگی قیادت کو آپ کی قیادت سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے لوگوں میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ خیال واقعی مولانا کے اندر جڑ پکڑ گیا ہے اور وہ ایسا سمجھنے لگے ہیں۔ تیسری چیز یہ تھی کہ ان کے بعض غالی عقیدت مندوں نے انھیں یہ باور کرا دیا کہ تحریکیں صرف اصول اور نظریات پر نہیں چلا کرتیں، بلکہ اس کے لیے شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے، اور شخصیت آپ سے آپ نہیں بنتی، بنائی جاتی ہے۔ اس لیے جب تک ہم آپ کے لیے وہ تمام لوازم اختیار نہیں کریں گے جو شخصیت بنانے کے لیے ضروری ہیں تب تک یہ کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب پر ان کے ساتھیوں کا یہ جادو بھی کارگر ہو گیا تھا۔

میرے علم میں جب یہ باتیں آئیں تو مولانا سے مختلف ملاقاتوں میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ یہ محض ایک وسوسہ ہے کہ اس ملک کے عوام آپ کی قیادت سے مسلم لیگ کی قیادت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت دور کی چیز ہے، اس کا فی الحال کوئی امکان نہیں۔ میں نے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ تحریکیں شخصیت سے چلتی ہیں، لیکن شخصیت مصنوعی طور پر نہیں بنائی جاتی، بلکہ خدمت سے آپ سے آپ بنتی ہے۔ آپ جو خدمت کر رہے ہیں یہی خدمت آپ کو بنائے گی اور اگر اس مقصد کے لیے مصنوعی طریقے

اختیار کیے گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کے لیے وہ تمام چیزیں اختیار کی جائیں گی جو موجودہ زمانے میں لیڈری کے لوازم و خصوصیات میں سمجھی جاتی ہیں اور جنھیں آپ حرام سمجھتے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب میری یہ باتیں حسب عادت نہایت توجہ سے سنتے اور مجھے اطمینان دلاتے کہ میں ایسی غلط فہمی میں نہیں ہوں، مگر حقیقت میں وہی سب کچھ ہونے لگا جس کی طرف میں ان کو توجہ دلاتا رہا تھا۔ چنانچہ لیڈروں والے سارے لوازم اختیار کیے گئے، ہر قدم پر تصویریں لی جانے لگیں۔ جہاں جاتے وہاں پہلے سے اطلاع پہنچ جاتی کہ استقبال کیا جائے، اسٹیشن پر لوگ آئیں اور خیر مقدم کے نعرے لگیں۔ ان چیزوں سے میرا یہ احساس قوی ہو گیا کہ گاڑی اب اسی راستے پر چل نکلی ہے۔ تاہم کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو مجھے مجبور کر دیتی کہ میں جماعت سے الگ ہو جاتا۔ میں اپنے آپ کو شوریٰ میں ایک موثر وجود سمجھتا تھا اور میرا خیال تھا کہ میں ان شاء اللہ جماعت کو بحیثیت مجموعی کسی غلط راستے پر جانے نہیں دوں گا۔ بالآخر پنجاب کے پہلے الیکشن کا مرحلہ پیش آ گیا۔

اس وقت میری اور میرے بعض ہم خیال دوستوں کی رائے یہ تھی کہ فی الوقت الیکشن میں حصہ لینا جماعت کے لیے فائدہ مند نہیں ہو گا۔ لیکن چونکہ مولانا مودودی صاحب کا ذہن الیکشن لڑنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا، اس لیے ہم شدت کے ساتھ اس کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ الیکشن میں مولانا مودودی صاحب ایک سیاسی پارٹی کی حیثیت سے میدان میں اتر گئے اور ان کے وہ ساتھی جو ایسے ہی کسی موقع کے انتظار میں تھے، الیکشن میں پوری طرح سر گرم عمل ہو گئے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ الیکشن میں شریک ہو کر جماعت نے ان تمام اخلاقی و مذہبی اصولوں کو پامال کر دیا جن کا وہ اب تک اعلان کرتی رہی تھی۔ بحیثیت ایک سیاسی جماعت وہ کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکی۔ بلکہ جتنے لوگ جماعت کے امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اترے تھے ان میں سے شاید کوئی صاحب بھی اپنی ضمانت واپس نہیں لے سکے۔

اخلاقی حیثیت سے جماعت نے جن سنگین غلطیوں کا ارتکاب کیا ان کی وجہ سے جماعت میں ایک شدید قسم کا بحران پیدا ہو گیا کہ ہم کس لیے اٹھے تھے، ہمارے دعوے کیا تھے، آج تک کیا اعلان کرتے رہے اور کس طرح ایک ہی آزمایش میں سب کچھ کھو کر رکھ دیا۔ اس بحران کے نتیجہ میں جب ایک بددلی سی پیدا ہوئی تو مجلس شوریٰ نے غالباً 1956ء کے اوائل میں چند ارکان پر مشتمل ایک جائزہ کمیٹی مقرر کی تھی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ تمام حالات کا

جائزہ لے کر مفصل رپورٹ شوریٰ میں پیش کرے لیکن امیر جماعت مولانا مودودی صاحب اس جائزہ کمیٹی کی تشکیل پر بہت برہم ہوئے اور انھوں نے دوسرے اعتراضات کے علاوہ یہ اعتراض بھی کیا کہ اس کمیٹی کو مرکزی تنظیم کے محتسب کی حیثیت دی گئی ہے، حالاں کہ اس میں بعض ارکان بہت ناپسندیدہ ہیں۔ چنانچہ یہ کمیٹی مولانا مودودی صاحب کے مسلسل مطالبے کی بنا پر توڑ دی گئی۔ پھر مجلس شوریٰ نے چار سینئر ارکان غازی عبد الجبار، شیخ سلطان احمد، حکیم عبد الرحیم اشرف اور مولانا عبد الغفار حسن صاحب پر مشتمل ایک اور کمیٹی مقرر کی جس کے سپرد بھی یہی کام کیا گیا۔

اس جائزہ کمیٹی نے پورے ملک کا دورہ کیا، ہر جگہ ارکان جماعت کے بیانات لیے اور کئی مہینوں کی محنت شاقہ کے بعد ایک رپورٹ مرتب کی۔ جب یہ رپورٹ مرتب ہو کر امیر جماعت کو ملی تو بد قسمتی سے امیر جماعت نے اسے اپنے خلاف ایک چارج شیٹ سمجھ لیا۔ تاہم جب شوریٰ میں یہ رپورٹ پیش ہوئی تو شوریٰ نے، جس کے صدر مولانا مودودی صاحب تھے، متفقہ طور پر جائزہ کمیٹی کے ارکان کی خدمات کو سراہا، ان کا شکریہ ادا کیا اور چار شقوں پر مشتمل ایک قرار داد منظور کی جس میں یہ اعتراف کیا گیا کہ کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن وہ ایسی غلطیاں نہیں ہیں جن پر قابو نہ پایا جا سکے، آیندہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس قرار داد کی ایک نہایت اہم شق یہ تھی کہ عام انتخابات کی سرگرمیوں سے فی الحال صرف نظر کر کے معاشرے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا جائے، کیونکہ اسلامی خطوط پر معاشرے کی اصلاح ہی بالآخر ملک میں صحیح سیاسی تبدیلی کا ذریعہ بن سکے گی۔ اس قرار داد کو متفقہ طور پر منظور کر لینے کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس دعا و درود پڑھ کر ختم کر دیا گیا۔

اس قرار داد کو منظور کر لینے کے بعد میرے نزدیک مجلس شوریٰ نے اس بحران پر جو انتخابات میں حصہ لینے سے پیدا ہو گیا تھا، قابو پا لیا تھا۔ لیکن مولانا مودودی صاحب نے اس قرار داد کو دل سے نہیں مانا۔ نیز یہ خلش بھی ان کے دل سے نہیں نکلی کہ جائزہ کمیٹی کی رپورٹ ان کے خلاف ایک چارج شیٹ ہے۔ چنانچہ شوریٰ کے اجلاس کے ختم ہونے کے کچھ ہی دن بعد انھوں نے جائزہ کمیٹی کے چاروں ارکان کو ایک نوٹس بھیج دیا کہ چونکہ آپ حضرات ایک نادانستہ سازش کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لیے شوریٰ سے استعفا دیں، ورنہ میں آپ کے حلقے کے ارکان کو لکھوں گا کہ وہ آپ کو واپس بلا لیں۔

میں گذشتہ کئی برسوں سے محسوس کر رہا تھا کہ مولانا مودودی صاحب شورائیت کو، جو اسلامی نظام کی بنیادی خصوصت ہے، جماعتی معاملات میں اہمیت نہیں دیتے، لیکن اس واقعہ نے میرے اعتماد کو بالکل ہی متزلزل کر دیا۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب کا یہ اقدام دستور جماعت ہی نہیں، عدل و انصاف کے ابتدائی تقاضوں کے احترام سے بھی خالی تھا۔ چنانچہ میں نے اس صریح ناانصافی اور جماعتی مصالح کے لحاظ سے مہلک فیصلہ پر ان کی توجہ دلانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے یہ واضح کیا کہ آپ کا یہ فیصلہ ہر پہلو سے غلط ہے۔ اس لیے جن کو آپ کے احکام پہنچ گئے ہیں انھیں واپس لیجیے اور جن تک نہیں پہنچے انھیں روک دیجیے، ورنہ یہ چیز بڑے حادثے پر منتہیٰ ہو گی۔ مولانا مودودی صاحب مجھے تسلی دیتے رہے کہ اس پر غور کیا جائے گا، لیکن عملاً وہ اسی پر مصر رہے۔ تب میں نے ان کو ایک مفصل خط لکھا جس میں میں نے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرائی کہ امیر جماعت کی حیثیت سے ان کا یہ اقدام دستور ہی کے نہیں عدل و انصاف کے بھی خلاف ہے۔

میرا یہ خط ایک تاریخی خط ہے جو اس زمانے میں پریس میں بھی آ گیا تھا اور جسے پڑھ کر (شام کے) عمر بہاء الامیری نے، جو اس زمانے میں پاکستان کے سفیر ہوا کرتے تھے، کہا تھا 'قد کتبت هذا الكتاب كما يكتب القاضى قضاء ولكن فيه بعض الخشونة' (آپ نے خط ایسے لکھا ہے جیسے قاضی اپنا فیصلہ لکھتا ہے، لیکن ذرا تلخ ہے) مولانا مودودی صاحب نے مجھے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اگلے روز نہایت عجیب و غریب انداز سے جماعت کی امارت سے مستعفی ہو گئے۔

کچھ عرصہ سے، مولانا مودودی صاحب نے شوریٰ کے اجلاسوں میں یہ طرز عمل اختیار کر رکھا تھا کہ جب کبھی وہ اپنے موقف کو دلائل کے ذریعے منوانے میں ناکام رہتے تو فوراً استعفے کی دھمکی دے دیتے۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل 1998ء)

مولانا اس واقعے کی مزید تفصیلات بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ اس سے پہلے شوریٰ کے اجلاسوں میں کئی بار استعفے کی دھمکی دے چکے تھے اور اس کا مقصد شوریٰ کو مرعوب کرنا اور دیگر ارکان کو یہ تاثر دینا ہوتا تھا کہ اختلاف کرنے والے حضرات امیر جماعت کی دل شکنی کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ اس دفعہ جب انھوں نے استعفا دیا تو جماعت کی مجلس شوریٰ نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ استعفے کو نہایت خفیہ رکھا جائے، لیکن مرکزی اسٹاف نے اسے نہایت دھوم دھام سے اخبارات میں شائع کرا دیا اور جگہ جگہ عام

ارکان کو یہ تاثر بھی دیا گیا کہ درحقیقت میری کوئی گستاخی ہے جو جماعت کے لیے اس حادثے کا باعث بنی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جماعت کے بیشتر حلقوں میں جائزہ کمیٹی کے ارکان اور ان سے ہمدردی رکھنے والے دیگر حضرات کے خلاف بہتان طرازیوں کی ایک مکروہ مہم شروع ہو گئی۔

اس استعفا پر غور کرنے کے لیے مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں چند ایسے ارکان جن کی رکنیتیں اس عرصہ میں معطل کر دی گئی تھیں، وہ بھی شریک ہو گئے۔ اس شوریٰ نے امیر جماعت پر غیر مشروط اعتماد کا اظہار بھی کیا اور امیر جماعت کو خوش کرنے کے لیے پالیسی میں بھی مداخلت کر دی جس کا اسے کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں اس شوریٰ میں شریک نہیں تھا چونکہ میں امیر جماعت پر شوریٰ کے غیر مشروط اظہار اعتماد کو، امیر جماعت کے ان تمام فیصلوں کی توثیق سمجھتا تھا، جو انھوں نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کیے۔ اس لیے میں نے اس دوران میں جماعت سے استعفا دے دیا۔ میرے استعفے کے بعد چودھری غلام محمد صاحب جو اس وقت قائم مقام امیر بنائے گئے تھے، مولانا باقر خان صاحب کے ساتھ مجھے ملے اور مجھے یہ یقین دلایا کہ اس شوریٰ کے اظہارِ اعتماد کا مطلب ہرگز ہرگز امیر جماعت کے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف اقدامات کی توثیق نہیں ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ دسمبر کی شوریٰ کی قرارداد اپنی جگہ قائم ہے۔ نیز یہ کہ امیر جماعت جائزہ کمیٹی کے ارکان کو بھیجے گئے نوٹس کو نہ صرف واپس لیں گے، بلکہ ان سے معافی بھی مانگیں گے۔ ان حضرات کی ان یقین دہانیوں کے بعد میں نے اپنا استعفا واپس لے لیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ حضرات ان وعدوں میں سے کسی بھی وعدے میں سچے ثابت نہیں ہوئے۔

شوریٰ کی اس قرارداد کے بعد مولانا مودودی صاحب نے اپنے اس استعفے کو جس میں کہا گیا تھا کہ یہ کسی بھی صورت میں واپس نہیں ہو گا، صرف تین ہی دن کے بعد واپس لے لیا۔ لیکن جائزہ کمیٹی کے ارکان کے بارے میں وہ اپنے اسی فیصلے پر جمے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چاروں اراکین شوریٰ الگ کیے گئے اور ان کے ساتھ ہی کئی دوسرے حضرات نے بھی بددل ہو کر جماعت سے استعفا دے دیا۔ وہ شوریٰ ختم ہو گئی جو مولانا مودودی صاحب کے نقطۂ نظر سے اختلاف کر سکتی تھی۔ صرف وہ لوگ رہ گئے جن کا خیال یہ تھا کہ دین لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن اس زمانے میں اسے مولانا مودودی صاحب ہی نے سمجھا ہے۔

اگرچہ ایسی خوشامدی اور جی حضوری قسم کی شوریٰ سے کسی اختلاف کی توقع رکھنا عبث تھا پھر بھی مولانا مودودی صاحب نے کسی متوقع سرکشی سے بچنے کے لیے جماعت میں اسلامی شورائیت کے نظام کو بدل کر ایک آمرانہ اور ڈکٹیٹرانہ نظام نافذ کر دیا۔ چنانچہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان میں انھوں نے مختلف طریقوں سے دستور میں ایسی ترامیم کرائیں جن کی رو سے شوریٰ کو عاملہ کی بجائے ایک مشاورتی کونسل کی حیثیت دے دی گئی۔ چند ماہ بعد اس نئی شوریٰ کا اجلاس کوٹ شیر سنگھ میں ہوا اور اس میں مولانا مودودی صاحب نے اپنے لیے ان اختیارات کا مطالبہ کیا جو حالت جنگ میں کسی فوج کے سپہ سالار کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر انھیں یہ اختیارات نہ دیے گئے تو وہ جماعت کی امارت سے استعفا دے دیں گے۔ میں نے ان کی اس رائے پر تنقید کی تھی، لیکن شوریٰ نے ان کے استعفا کی دھمکی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ میں شوریٰ کے اس اجلاس سے اُٹھ کر چلا آیا اور بعد میں دستور میں وہ تمام ترامیم کر دی گئیں جن کے بعد جماعت کا جمہوری اور شورائی نظام ایک آمرانہ اور ڈکٹیٹرانہ نظام میں بدل گیا۔ ترمیم شدہ دستور کے مطابق چند ارکان پر مشتمل عاملہ بنائی گئی جسے بظاہر وسیع اختیارات دیے گئے، لیکن عملاً یہ تمام اختیارات امیر جماعت کی ذات میں مرتکز کر دیے گئے، کیونکہ اس دستور کے مطابق اب امیر جماعت عاملہ کی اکثریت کی رائے کے پابند نہیں تھے اور وہ ساری عاملہ یا عاملہ کے چند ارکان کو جب چاہیں معزول کر سکتے تھے۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو مجھ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اب جماعت کا دستور، نظام، پالیسی ہر چیز بدل چکی ہے۔ یہ جماعت اقامت دین کے لیے اٹھی تھی اور اس کے لیڈروں نے اسے اٹھا کر غلط راستے پر ڈال دیا۔ ان کی انتہائی آرزو بس یہی تھی کہ کسی طرح اسمبلی کی چند سیٹوں پر قبضہ کر لیں۔ شہادت حق اور اقامت دین کے نعرے کھوکھلے ہو چکے تھے۔ میں نے اس کے اندر رہ کر اصلاح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرے لیے یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ میں امیر جماعت کے ان اقدامات کو جو انھوں نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کیے، خاموشی سے برداشت کر لیتا۔ اگر میں اس ظلم اور ناانصافی پر خاموش رہتا تو میرا ضمیر مردہ ہو جاتا اور میری روح خدا سے شرمندہ ہوتی۔ اس دوران میں کچھ لوگوں نے مصالحت کی کوششیں کیں، لیکن جب وہ بھی مایوس ہو گئے تو میں نے استعفا دے دیا۔ اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ یہ استعفا واپس لینے کے لیے نہیں ہے۔ مولانا

مودودی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنا استعفا واپس لیں۔ میں نے کہا: مولانا میں نے تو عرض کر دیا ہے کہ یہ استعفا واپس لینے کے لیے نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو اچھی طرح جان لیا اور آپ نے مجھے اچھی طرح جان لیا۔ اب ہم شاید کبھی بھی مجتمع نہیں ہو سکیں گے۔ 'هذا فراق بيني و بينك'۔ (میرے اور آپ کے درمیان اب علیحدگی ہے) مولانا مودودی صاحب اٹھ کر چلے گئے اور جماعت سے میری علیحدگی ہو گئی۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل 1998ء، 48-53)

یہاں ہم ان تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہیں جو کوٹ شیر سنگھ کے اجلاس میں منظور ہوئیں۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا کا یہ جملہ کس قدر مبنی بر حقیقت ہے کہ "مولانا مودودی صاحب نے اپنے لیے ان اختیارات کا مطالبہ کیا جو حالت جنگ میں کسی فوج کے سپہ سالار کو حاصل ہوتے ہیں۔"

جماعت اسلامی کے دستور میں اہم تبدیلیاں

1۔ نظم جماعت اور تحریک اسلامی کو چلانے کی آخری ذمہ داری امیر جماعت پر ہو گی اور وہ مجلسِ شوریٰ اور ارکان جماعت کے سامنے جواب دہ ہو گا۔

2۔ جماعت کی پالیسی کی تشکیل اور اہم مسائل کے فیصلے امیر جماعت مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا، (جب کہ مجلس شوریٰ عملاً امیر جماعت کی مکمل "مرید" ہو چکی تھی)۔

3۔ مجلسِ شوریٰ کے ارکان میں سے امیر جماعت کو اپنی مجلسِ عاملہ خود منتخب کر لینے کا اختیار ہو گا اور مجلسِ عاملہ کو وہ اختیارات حاصل ہوں گے جو آیندہ دستور جماعت میں اسے دیے جائیں گے۔

4۔ اہم معاملات میں اگر کوئی فوری قدم اٹھانے کی ضرورت ہو اور مجلس عاملہ یا مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد کرنے کا امکان نہ ہو تو امیر جماعت، مجلسِ عاملہ یا مجلسِ شوریٰ کے جن ارکان سے بھی مشورہ لے سکتا ہو، ان کے مشورے سے وہ قدم اٹھا سکتا ہے۔

5۔ امیر جماعت اپنی مدد کے لیے نائب امرا مقرر کر سکے گا اور وہ تفویض کردہ فرائض ادا کرنے اور اختیارات استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے۔

6۔ مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی تعداد کم از کم پچاس ہو گی۔ ہر انتخاب سے پہلے اس تعداد کو

مختلف تنظیمی حلقوں کے ارکان کی تعداد کے تناسب سے ان حلقوں پر تقسیم کیا جاتا رہے گا، مگر کوئی حلقہ کم از کم ایک نشست سے محروم نہ رہے گا۔

7۔ مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں ارکان جماعت، سامع کی حیثیت سے حاضر ہو سکیں گے، البتہ کسی خاص اجلاس کے لیے امیر جماعت مصالح جماعت کی خاطر اس اجازت کو منسوخ کر سکے گا۔

8۔ مجلسِ شوریٰ کے کل منتخب ارکان کی دو تہائی اکثریت سے اگر امیر جماعت کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد منظور ہو جائے تو امیر جماعت معزول ہو جائے گا۔

9۔ مجلسِ شوریٰ کو تعبیر دستور اور ترمیم دستور کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

جو ارکان جماعت، دستور جماعت کی پابندی کے عہد پر قائم ہوں، مگر نصب ُالعین کے حصول کے عملی طریقوں میں جن کا نقطۂ نظر جماعتی فیصلوں سے مختلف ہو، انھیں جماعت کے اندر حسب ذیل حدود کو ملحوظ رکھنا ہو گا:

1۔ انھیں جماعت کے اجتماعات میں اختلاف خیال کے اظہار کا پورا حق حاصل ہو گا، مگر اس غرض کے لیے پریس اور پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ بنانے کا حق نہ ہو گا۔ اور یہ حق بھی نہ ہو گا کہ وہ فرداً فرداً ارکان جماعت میں نجویٰ کرتے پھریں۔

2۔ جماعت میں کثرتِ رائے سے جو فیصلے ہو جائیں، ان کو وہ جماعتی فیصلوں کی حیثیت سے تسلیم کریں گے اور ان کے پابند ہوں گے، البتہ انھیں یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ مقررہ حدود کے اندر ان فیصلوں کو متعلقہ اجتماعات میں بدلوانے کی کوشش کریں۔

3۔ اگر کوئی رکنِ جماعت، جماعت کی طے کردہ پالیسی سے اختلاف کا اظہار کر دے تو وہ جماعت میں کسی ایسے منصب پر نہ رہ سکے گا جس کا فریضہ جماعتی پالیسی کو نافذ کرنا ہو۔

جماعت اسلامی پاکستان کا یہ کل پاکستان اجتماع ارکان قرار دیتا ہے کہ:

1۔ دستوری قرار داد نمبر 1 اور نمبر 2 (مذکورہ بالا) کی بنیاد پر آیندہ منتخب ہونے والی مجلسِ شوریٰ کو جماعت کے دستور کی نئے سرے سے تدوین کرنی ہو گی۔

2۔ 1955ء کے اجتماع ارکان میں جو مجلس ترمیم دستور منتخب کی گئی تھی، اس کے غور کے لیے جو ترامیم آئی تھیں، وہ نئی مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دی جائیں۔

3۔ آیندہ مجلسِ شوریٰ کا انتخاب 31/ مارچ 1957ء سے پہلے ہو جانا چاہیے۔

4۔ نئی مجلسِ شوریٰ کے انتخاب تک موجودہ مجلسِ شوریٰ قائم رہے گی۔

کل پاکستان اجتماع ارکان کے مذکورہ بالا فیصلوں کے مطابق مجلسِ شوریٰ کا انتخاب 31/ مارچ 1957ء سے پہلے کرا لیا گیا۔ اس مجلس کا پہلا اجلاس کوٹ شیر سنگھ، ضلع لاہور میں جناب سردار محمد خان صاحب کے مکان پر 19 تا 26 مئی 1957ء منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مجلس کے پچاس میں سے پینتالیس ارکان شریک ہوئے اور اس میں دستور کی دفعہ 34 کی شق 6 کے سوا پورا دستور بالاتفاق منظور ہوا۔ صرف مذکورہ شق پر ہی راے شماری کی ضرورت پیش آئی۔ اس میں چار ارکان نے خلاف راے دی، دو ارکان غیر جانب دار رہے اور انھوں نے راے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ یہ دستور 25/ شوال 1376ھ مطابق 26/ مئی 1957ء کو منظور ہوا۔ اور 2/ ذیقعدہ 1376ھ مطابق یکم جون 1957ء بروز ہفتہ سے نافذ العمل ہوا۔

(بحوالہ دستور جماعتِ اسلامی کے ارتقائی مراحل: ضمیمہ 5)

[باقی]

ادبیات

ترے حضور میں حرف و سخن کہاں، ساقی
یہ میرے اشک ہیں، اِن سے کلام پیدا کر

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

دل ہے، مگر کسی سے عداوت نہیں رہی
دنیا وہی ہے، ہم کو شکایت نہیں رہی

میں جانتا ہوں دہر میں اُس قوم کا مآل
علم و ہنر سے جس کو محبت نہیں رہی

خوفِ خدا کے بعد پھر اک چیز تھی حیا
وہ بھی دل و نگاہ کی زینت نہیں رہی

دنیا ترا نصیب، نہ عقبیٰ ترا نصیب
اب زندگی میں موت کی زحمت نہیں رہی

وہ دن قریب آ لگا، آئے گی جب صدا
'بابر بہ عیش کوش' کی مہلت نہیں رہی

درماندۂ حیات ہوں، دل تو نہیں لگا
اتنا ضرور ہے کبھی وحشت نہیں رہی

سرما کی شام ہے کوئی اجڑے دیار میں
جس زندگی میں شوق کی حدت نہیں رہی

اِس رہ روی میں جادہ و منزل بھی دیکھ لیں
یارانِ تیز گام کو فرصت نہیں رہی
شعر و سخن کی، بادہ و ساغر کی گفتگو
جی چاہتا ہے، پر وہ طبیعت نہیں رہی
پیدا کہاں یہ علم و محبت کا راز داں
تم کو فقیر سے کبھی صحبت نہیں رہی

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[جولائی 2025ء]

غامدی صاحب کا دورۂ کینیڈا

جون 2025ء میں غامدی صاحب نے کینیڈا کا دورہ کیا۔ المورد، امریکہ کے چیئر آف بورڈ جناب مکرم عزیز، غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن محمد حسن الیاس صاحب اور ”اشراق“ امریکہ کے مدیر سید منظور الحسن صاحب بھی غامدی صاحب کے ہم راہ تھے۔ یہ پانچ روزہ دعوتی دورہ تھا، جس میں غامدی صاحب نے مختلف کمیونٹیز، قانونی ماہرین، نوجوانوں اور اہلِ علم سے ملاقاتیں کیں۔ اُن کی میزبانی المورد، کینیڈا، AMIC (Association of Muslims in Canada) اور مقامی احباب نے کی۔ غامدی صاحب کے اعزاز میں مختلف تقاریب منعقد کی گئیں، جن میں حاضرین کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور غامدی صاحب سے علمی و فکری سوالات کیے۔

”اجتہاد“

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں ”اجتہاد“ کے عنوان سے ایک نئے موضوع کا آغاز کیا گیا ہے۔ جون 2025ء میں اس موضوع پر منعقد ہونے والی نشستوں

میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ”اجتہاد کیا ہے؟“، ”اجتہاد کیوں ضروری ہے؟“، ”اجتہاد کے حدود وشرائط کیا ہیں“ اور ”کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے یا آج بھی اجتہاد کیا جا سکتا ہے؟“۔ ان نشستوں کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

“Quran Unlocked”

غامدی سینٹر نے قرآن فہمی کے فروغ کے لیے ”Quran Unlocked – Intensive Summer Quranic Arabic Language Program“ کے نام سے دو ہفتوں پر مشتمل عربی زبان کا آن لائن کورس متعارف کرایا ہے۔ یہ کورس 21/ جولائی 2025ء سے شروع ہو گا اور ہفتے میں پانچ دن (پیر تا جمعہ) شام 8 سے 10 بجے جاری رہے گا۔ کورس کی زبان انگریزی ہو گی اور اس کی تدریسی خدمات احمد شعیب صاحب سر انجام دیں گے۔ یہ کورس قرآنی عربی سیکھنے کے خواہش مند افراد کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ صرف تلاوت ہی نہیں، بلکہ قرآن کے مفاہیم بھی سمجھ سکیں۔ دل چسپی رکھنے والے حضرات غامدی سینٹر کی ویب سائٹ پر جا کر اس کورس کے لیے اندراج کرا سکتے ہیں۔

”زینتوں کی حلت“

منظور الحسن صاحب نے اپنے اس مضمون میں قرآنِ مجید کی روشنی میں انسانی فطرت اور جمالیاتی احساسات کے حوالے سے اہم نکات پیش کیے۔ مضمون میں وضاحت کی گئی کہ بدن، لباس، آواز اور ماحول کی آرایش فطرتِ انسانی کا حصہ ہے، جسے اللہ نے انسان کے لیے پیدا کیا ہے اور قرآن نے انھیں حلال اور جائز قرار دیا ہے۔ مضمون میں بتایا گیا کہ لباس، پاکیزہ کھانا اور تزئین و آرایش کی دیگر شکلیں اللہ کی جائز اور حلال نعمتیں ہیں۔ اسلام رہبانیت یا بے زینتی کا قائل نہیں، بلکہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے زینت سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ مضمون ”اشراق“ امریکہ کے جون 2025ء کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث

جون 2025ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جناب جاوید احمد غامدی کے لائیو درسِ قرآن و حدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ طٰہٰ کی آیات 129 تا 135 اور سورۂ انبیاء کی آیات 1 تا 44 کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں ایمان و اسلام کے منافی چیزوں سے متعلق احادیث کو زیر بحث لاتے ہوئے جن اہم نکات پر گفتگو کی گئی، وہ یہ ہیں: ''چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت نہ کرنے والوں کو تنبیہ''، ''فساد فی الارض کے مرتکبین کی اسلامی ریاست میں جگہ نہیں'' اور ''علانیہ چوری اور ڈاکا ڈالنے والا ہماری امت کا فرد نہیں''۔ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

''راہِ تکمیل''

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام حال ہی میں ''راہِ تکمیل'' (Path to Fulfillment) کے عنوان سے ایک سیریز کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس کے میزبان غامدی سینٹر کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر فرحان سید صاحب ہیں، جب کہ ڈاکٹر علی پتافی نے اس میں بہ طور مہمان شرکت کی ہے۔ جون 2025ء میں اس سیریز کی چار اقساط نشر ہوئیں۔ ان نشستوں میں زندگی میں حقیقی سکون اور روحانی تکمیل کے اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مادی خواہشات سے بلند ہو کر دوسروں کو دینے کے جذبے کو اُجاگر کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ مزید برآں، اَنا، خوف اور حسد جیسی باطنی رکاوٹوں کو ختم کرنے کی ضرورت پر بات کی گئی اور شکر گزاری کو زندگی کا حصہ بنانے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''کوفہ کا سیاسی کردار: ایک تجزیاتی مطالعہ''

گذشتہ ماہ ڈاکٹر عرفان شہزاد نے غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ''وائس آف ریسرچ'' کے نام سے ہونے والے آن لائن سیمینار میں ''کوفہ کا سیاسی کردار: ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ اس سیمینار میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: ''مطالعۂ تاریخ کی اہمیت''،

”مطالعۂ تاریخ کا درست تناظر“، ”سورۂ حجرات کی روشنی میں دور فتن کا مطالعہ“، ”دور فتن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور صحابہ کا کردار“ اور ”دور صحابہ کی داخلی کشمکش کی تاریخ کے مطالعہ کی ضرورت“۔ یہ سیمینار آن لائن رابطے کی ایپ ”زوم“ پر ہوتا ہے، دل چسپی رکھنے والے حضرات ان سیمینارز میں براہ راست شرکت کر کے اپنے سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

”صحبہ“—غامدی سینٹر کا نیا تربیتی پروگرام

غامدی سینٹر نے بچوں اور نوجوانوں کی دینی تربیت اور رہنمائی کے لیے ”صحبہ“(Sohbah) کے نام سے ایک نیا تربیتی پروگرام متعارف کرایا ہے، جس کا مقصد دینی تعلیم، بامقصد مطالعے کے مواقع اور فکری ہم آہنگی کا ماحول فراہم کرنا ہے۔ اس پروگرام میں مسلمان نوجوان اپنے ہم عمر ساتھیوں، دوستوں یا کزنز کے ساتھ ایک نجی تعلیمی حلقہ بنا کر تجربہ کار اساتذہ کی زیر نگرانی دین کے معنی، افکار اور عملی پہلوؤں سے روشناس ہو سکتے ہیں۔ پروگرام کا دورانیہ کم از کم 3 ماہ ہے۔ کورس کا نصاب بچوں کی ذہنی سطح اور دل چسپی کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے۔ فی الحال پروگرام میں شمولیت کے لیے رجسٹریشن جاری ہے۔ دل چسپی رکھنے والے حضرات پروگرام کے بارے میں مزید تفصیلات اور رجسٹریشن کے لیے غامدی سینٹر کی ویب سائٹ کا وزٹ کر سکتے ہیں۔

Ask Ghamidi

یہ سوال وجواب کی آن لائن نشست ہوتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے دینی اور اخلاقی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جوابات براہ راست غامدی صاحب سے حاصل کر سکیں۔ ہر ماہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس نشست میں حصہ لیتی ہے۔ جون 2025ء میں اس نشست میں لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ”کیا مذہبی لیڈرشپ کے پاس جوہری ہتھیاروں سے دنیا میں تباہی پھیلے گی؟“، ”کیا آج بھی اللہ تعالیٰ انسانوں سے رابطہ کرتے ہیں؟“، ”کیا غامدی صاحب نے کسی کتاب میں تمام ضعیف احادیث کو جمع کر دیا ہے؟“ اور ”سورۂ طور کی آیت 21 کی تشریح کیا ہے؟“ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

”سنڈے اسکول“ میں رجسٹریشن

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام چلنے والے ”سنڈے اسکول“ کا مقصد طلبہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں بنیادی اسلامی اقدار کو پروان چڑھانا ہے۔ یہ اسکول گذشتہ نو سال سے سرگرم عمل ہے۔ اس اسکول کے فیکلٹی ممبران کالج اور یونیورسٹی کے وہ طلبہ ہیں جو غامدی سینٹر اور ”المورد“ کی دعوت سے متاثر ہیں اور اس کے کاموں میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اسے جناب فرحان سید اور عاطف ساجد صاحب کی زیر نگرانی ”المورد“ امریکہ کی تعلیمی کمیٹی چلاتی ہے۔ سنڈے اسکول میں رجسٹریشن کا آغاز جلد ہی کر دیا جائے گا۔ دل چسپی رکھنے والے حضرات ذیل میں دیے گئے لنک پر اپنے کوائف جمع کرا سکتے ہیں تاکہ انتظامیہ ان سے رابطہ کر سکے:

https://www.ghamidi.org/sunday-school-2025/

”سوال و جواب حسن الیاس کے ساتھ“

غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب نے معروف یوٹیوب چینل ”مسلم ٹوڈے“ کے ساتھ ”Ask Hassan Ilyas“ کے نام سے ایک پروگرام کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ سوال و جواب پر مبنی پروگرام ہے، جس میں حسن الیاس صاحب حاضرین کی جانب سے پوچھے گئے علمی و فکری اور دینی سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس پروگرام میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوال یہ ہیں: ”کیا حدیث عمار متواتر ہے؟“، ”کھیل میں خواتین کا کردار اور لباس کے حدود کیا ہیں؟“، ”کیا ہر حرام چیز ناپاک بھی ہوتی ہے؟“ اور ”وسوسے کی بیماری کے اسباب اور علاج کیا ہے؟“ اس پروگرام کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

”تفہیم الآثار“ سیریز

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری ”تفہیم الآثار“ سیریز کے زیر عنوان جون 2025ء میں منعقد ہونے والی نشستوں میں ”واقعۂ قرطاس کی نوعیت اور پس منظر“، ”جانشینوں سے متعلق احادیث میں اشارات“ اور ”منصبِ خلافت پر مہاجرین کا استحقاق“ جیسے اہم موضوعات پر گفتگو

کی گئی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جاری آن لائن خانقاہ کی گذشتہ ماہ منعقد ہونے والی نشستوں میں زیر بحث آنے والے چند اہم نکات یہ ہیں: "خالق انسان سے کیا چاہتا ہے؟"، "روز مرہ کی معمولی باتوں پر جھوٹ بولنا"، "عاجزی اور ہمت میں فرق"، "اپنے کردار کا واضح تصور" اور "تعلقات بچاتے ہوئے سچ بولنے کا حوصلہ پیدا کرنا"۔ آن لائن خانقاہ کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

"اسلام اسٹڈی سرکل"

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب "اسلام اسٹڈی سرکل" کے عنوان سے ہر ماہ ایک سیشن کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس میں وہ مختلف دینی، اخلاقی اور سماجی موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کرتے ہیں۔ یہ سیشن تین حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں قرآن مجید کی آیات سے ایک موضوع منتخب کرکے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ دوسرے حصے میں منتخب احادیث نبوی پر گفتگو ہوتی ہے۔ تیسرے حصے میں بائیبل کے کسی اقتباس کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ پروگرام کے آخر میں موضوع سے متعلق سوالوں کے جواب بھی دیے جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے کے سیشن میں "شرک ناقابل معافی کیوں ہے؟"، "استخارہ" اور "سچی دوستی" جیسے موضوعات زیر بحث رہے۔ اور آخر میں حاضرین کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے جواب دیے گئے۔ یہ سیشن انگریزی زبان میں ہوتا ہے۔ اس سیشن کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

"حیاتِ امین"

جناب نعیم احمد بلوچ نے "حیاتِ امین" کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں لکھا ہے کہ اگرچہ مولانا اصلاحی انتخابات میں شرکت کے ہرگز قائل نہیں تھے، لیکن جماعت کے نظم کی پابندی کرتے ہوئے انھیں 1951ء میں لاہور کے ایک حلقے سے الیکشن لڑنا پڑا۔ 1953ء کے قادیانی

تنازع میں جماعت اسلامی نے علمی و نظریاتی کردار ادا کیا اور مولانا مودودی سمیت کئی رہنما گرفتار ہوئے۔ مودودی صاحب کو بغاوت کے الزام میں موت کی سزا سنائی گئی، جس پر شدید احتجاج کے بعد اسے عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔

”ایمان و عقائد“

شہزاد سلیم صاحب ”میزان لیکچرز سیریز“ کے تحت غامدی صاحب کی کتاب ”میزان“ کی انگریزی زبان میں تدریس کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ انھوں نے اس سیریز کے تحت ”ایمان و عقائد“ کے موضوع پر انگریزی زبان میں دو لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ ان لیکچرز کی ریکارڈنگ کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔

”علم و حکمت: غامدی کے ساتھ“

”علم و حکمت: غامدی کے ساتھ“ دنیا نیوز چینل پاکستان کا ایک معروف پروگرام ہے، جو کئی برس سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ ڈیلس میں ریکارڈ ہوتا ہے اور ہفتہ وار نشر ہوتا ہے۔ میزبانی کے فرائض غامدی سینٹر کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن حسن الیاس صاحب انجام دیتے ہیں۔ جون 2025ء میں ”امتِ مسلمہ کے عروج و زوال کی تاریخ“ کے عنوان سے 4 پروگرام ریکارڈ کیے گئے اور دنیا نیوز سے نشر ہوئے۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ لوگوں سے آن لائن نجی مشاورتی سیشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سیشنز میں لوگ اپنے مختلف ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل میں شہزاد سلیم صاحب سے مشاورت کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کے 25 سے زائد سیشنز ہوئے۔ ان سیشنز میں لوگوں نے شہزاد سلیم صاحب سے والدین کو درپیش مشکلات اور نو عمری کے مسائل کے حل کے لیے مشاورت کی۔

23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز کا انگریزی زبان میں خلاصہ

شہزاد سلیم صاحب 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں اب تک کے زیر بحث آنے والے تمام موضوعات کا انگریزی زبان میں خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ شہزاد سلیم صاحب نے 23 اعتراضات کی سیریز میں زیر بحث آنے والے موضوع ''موت کی سزا'' کے دوسرے حصے کا خلاصہ بیان کیا۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح و طلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف ضرورتوں کے تحت متعدد فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کے فکر کی روشنی میں حسن الیاس صاحب نے جاری کیا۔

Ask Dr. Shehzad Saleem

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ سوال و جواب کی لائیو ماہانہ نشست منعقد کرتے ہیں، جس میں وہ لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس نشست میں لوگ اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں اپنے سوال پوچھ سکتے ہیں۔ سوال و جواب کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب غامدی صاحب کی تفسیر ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں تاکہ انگریزی جاننے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ جون

2025ء میں انھوں نے سورۂ مائدہ کی آیات 67 تا 120 کا انگریزی زبان میں درس دیا۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔